اورنگ زیب عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور قومِ مَرہٹہ

مرتب:
محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی

ناشر:
مکتبہ نعیمہ، ممبئی

تفصیلاتِ کتاب

نامِ کتاب:.....اورنگ زیب عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور قومِ مَرہٹہ

مرتّب:.....مفتی محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی ممبئی

صفحات:.....۱۱۲

سالِ اشاعت:.....رجب المرجب ۱۴۴۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۵ء

تعداد:.....ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت:.....

کتاب ملنے کا پتہ:

(مفتی) محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ (قاسمی، ممبئی)

رابطہ نمبر:

9819886832

فہرست

تفصیلاتِ کتاب ۲
فہرست ۳
پیش لفظ ۷
مسلمانوں نے مرہٹوں کو کیا دیا کیا چھینا ۱۱
قوم مراٹھا تاریخ کے آئینے میں: ۱۱
مراٹھوں کے عروج اور شائستگی کا پہلا سبب: محمود گاواں کی نظرِ التفات ۱۶
مراٹھوں کے عروج اور شائستگی کا دوسرا سبب: مسلمانوں میں رشتہ داریاں ۱۷
مراٹھا قوم میں اولوالعزمی کس طرح پیدا ہوئی؟ ۱۸
سلطنتِ قطب شاہیہ کی مَرہٹہ نوازی: ۲۰
نویں صدی ہجری میں مرہٹے: ۲۱
تاریخ میں گمنام مرہٹے ۲۳
مرہٹوں کی ترقی کی راہ میں عظیم موڑ اور ان کا محسن ایک نمبر: ملک عنبر ۲۴
مرہٹے شاہ جہاں کی خدمت میں: ۲۵
مَرہٹہ سردار شیواجی ۲۵
مَرہٹہ سردار شیواجی کی سرگرمیاں ۲۶
شیواجی کے مقابلے میں مغلوں کی پہلی شکست ۳۰

شیواجی نے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا ۳۰
شیواجی کا سمندری بیڑا ۳۱
بالاجی بشوناتھ پیشوا ۳۴
مرہٹوں کی پہلی میدانی فتح ۳۵
نظام الملک کا قابلِ حیرت قدم ۳۶
نظام الملک کا ایک اور حیرت انگیز اقدام ۳۷
مرہٹوں کی طاقت کا کمالِ عروج کے بعد زوال ۳۷
اکبر اور دارا کی بدروحیں ۴۰
شیواجی اور موجودہ حکومت: ۴۲
مرہٹوں کے حالات شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے قلم سے ۴۴
مرہٹوں کی سرکشی روکنے کے لیے شاہ صاحبؒ کا احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینا ۴۶
شیواجی کی تاجپوشی پر برہمنوں کی ناراضگی ۴۸
شیواجی کی تاجپوشی پر بنارس کے پنڈتوں کی ناراضگی کی وجوہات: ۴۹
شیواجی کی تاجپوشی کی پاداش میں گاگا بھٹ کا معافی مانگنا: ۵۰
افسانۂ بزمِ سخن ۵۵
شاہ جہاں کو معزول کرنا اور حقیقی بھائیوں سے جنگ وقتال: ۵۵
ایک سوال اور اس کا جواب ۶۷
جنگِ بردران کے سلسلے میں ایک اہم تجزیہ: ۶۸

عالَم گیر نے شاہجہاں کو کیوں معزول رکھا ۷۱
شہزادہ مراد: ۷۵
شہزادہ شجاع: ۷۶
عالم گیر کی اصلاحات پر ایک سرسری نظر ۷۷
اورنگ زیب عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی ۸۸
شاہ جہاں کے اوصافِ حمیدہ: ۸۸
شاہ جہاں کی کمزوریاں: ۹۱
داراشکوہ اور اس کے نظریات: ۹۳
زرّیں کارنامہ یا بڑی غلطی؟ ۹۷
اورنگ زیب عالَم گیر رح کی بیویاں اور اولاد ۱۰۱
بیویاں: ۱۰۱
بیٹے اور بیٹیاں: ۱۰۱
شیوا اور سنبھا کا کمال ۱۰۴
عالَم گیرؒ کی دَکّن کی طرف رُخ کرنے کی اہم وجہ: ۱۰۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

کیا بالیقین ''اورنگ زیب'' اپنے والد کو پسِ زنداں ڈال کر اور اپنے معصوم بھائیوں کا ناحق قتل کر کے برسرِ اقتدار آیا تھا؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ وہ سخت غصیل اور بد مزاج تھا؟ کیا یہ وہی ہے جس نے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کے مَعبد ڈھائے اور ان کی پوجا پاٹ میں رُکاوٹ پیدا کی؟ کیا شیواجی سے معرکہ آرائی اس کی غلطی تھی؟ کیوں اکبر کی طرح اپنے ہم وطن مسلم قوتوں کو اپنا دست و بازو نہ بنایا؟ کیا اس کے یہاں اپنے دشمن قیدی سے حیوانیت روا رکھی جاتی تھی؟

آئے دن کسی فلم کے ذریعہ یا ڈبیٹ میں کسی پروفیسر کے شوشہ چھوڑ دینے کے ذریعہ یا سیاست کی گلیاروں میں ''ستّا'' (حکومت) بنائے رکھنے والے متعصب سیاست داں کے ذریعہ یہ سوالات میڈیا، سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا پر موضوع سخن بنے رہتے ہیں جس سے بعض مسلمان بھی متاثر ہو جاتے ہیں یا ان کے نظریات ڈگمگا جاتے ہیں۔

بات ایسی ہے کہ برِّ صغیر کی تاریخ، خصوصاً مغل و مَرہٹہ عہد کی داستان، ہمیشہ سے فکری کشمکش اور تعصبات کا محور رہی ہے۔ ہماری موجودہ نسل کی ایک بڑی تعداد تاریخ کو کتابوں سے زیادہ فلموں، ڈراموں اور سوشل میڈیا کے ذریعے جانتی

ہے، جہاں حقیقت کم اور تعصب وجذباتی رنگ آمیزی زیادہ ہوتی ہے۔ تاریخ کو اس طرح مسخ کر کے عوام کے ذہنوں میں نفسیاتی برتری یا کم تری کے نقش ڈالنا دراصل اس ذہنیت کا شاخسانہ ہے جو حقائق نہیں، جذبات وعصبیت کو تاریخ کا معیار بناتی ہے۔

نیز اس طرح کی فلموں یا پروفیسروں کی باتوں کا مدار اُن انگریزی تصنیفوں پر ہے جس میں انھوں نے اپنے ہم وطنوں کی سیاسی اَغراض کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی ہندوستان کی تاریخ کا مواد اُنہیں ''میر جعفر'' جیسے ''ملّت فروش'' لوگوں کے ذریعے سے ملا ہے۔ اس لئے ایک اورنگ زیب کیا؟ اسلامی ہندوستان کی تاریخ کا ایک بھی فرد اس حالت میں نہیں ملتا جس کی شخصیت کو غلط سلط بیانات سے مجروح کر کے دم نہ لیا ہو۔ اسے حکومت کے لئے نااہل اور بدوضع ثابت نہ کیا ہو۔

تاریخ کے صفحات کبھی کبھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں جو حقائق کے امین نہیں، بلکہ جذبات کے سوداگر ہوتے ہیں۔ جب تاریخ کو شعوری طور پر مسخ کر کے پیش کیا جائے، ہیرو اور وِلن کو بدل دیا جائے، اور صدیاں گزر جانے کے باوجود شخصیات کے چہروں پر خود ساختہ داغ ملے جائیں، تو سادہ لوح اَذہان میں تزلزل اور بے چینی پیدا ہونا فطری امر ہے۔

مغلوں کا دور اسلامی ہندوستان کا تابناک دور ہے، بابر کی چھٹی نسل میں آنے والے اورنگ زیب کے زمانے میں سلطنتِ مغل اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی اور اورنگ زیب نے اس کو مکمل اسلامی سانچے میں ڈھال کر اس کی تابناکی کو چار چاند لگا دیے۔ یہ اسلامی حکومت اپنے کمالِ عروج کو پہنچ گئی اور اسلامی نظام و انصرام کا ایک بہترین نمونہ بن گئی۔

یہی وجہ ہوئی کہ اورنگ زیب جیسے عادل، نیک، نرم مزاج کی شخصیت کو مخدوش کیا گیا اور ناکردہ گناہوں کا الزام اس پر ڈالا گیا۔ اور اس کے مقابل مرہٹوں اور شیوا و سنبھا کو غیر معمولی بہادری، پاکیزگی اور قومی غیرت کا پیکر بنا کر دکھایا گیا۔ جذبات کی اس بھٹی میں جھونکا ہوا یہ بیانیہ نہ صرف تاریخی حقائق سے دور ہے، بلکہ نسلِ نو کے ذہنوں پر مصنوعی تاثر مسلط کرنے کی ایک تازہ مثال بھی ہے۔

جب یہ صورتِ حال عام ہوئی تو بہت سے لوگوں میں یہ سوال بیدار ہوا کہ حقیقت کیا ہے؟ اورنگ زیب پر جو الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ان کا اصل ماخذ کیا ہے؟ اور کیا واقعی مسلمانوں نے مَرہٹہ قوم پر ظلم کیا تھا؟ جسے آج نئی شکلوں میں پیش کر کے ایک جذباتی دشمنی کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ انہی سوالات کا جواب دینے کے لیے راقم نے یہ مختصر تحریر مرتّب کی ہے، جس میں پوری دیانت کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے جو بلاوجہ اورنگ زیب پر تھوپے گئے، اور ساتھ ہی تاریخی تناظر میں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ

مسلمانوں اور مرہٹوں کے باہمی تعلقات کی اصل نوعیت کیا تھی۔ یہ تحریر کسی جذباتی انتقام یا دفاعی شورش کا نتیجہ نہیں بلکہ مستند مآخذ کے ذریعہ حقیقت کی بازیافت اور تاریخ کے انصاف کی ایک معمولی کوشش ہے۔ خواہش ہے کہ قارئین اس کے ذریعے صحیح رُخ کو پہچانیں، جھوٹے بیانیوں کی گرد چھٹے، اور ماضی کی تصویر اصل رنگ میں سامنے آئے۔

محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ انوری قاسمی
خادم تدریس مدنی مدرسہ ملت جوگیشوری
خادم دار الافتاء والارشاد اندھیری ممبئی

الحمدُ للهِ ربِّ العالمين، حمدًا كثيرًا طيّبًا مباركًا فيه، والصلاةُ والسلامُ على سيدِ الأنبياءِ والمرسلين، نبينا محمدٍ، وعلى آلهِ وصحبِه أجمعين

مسلمانوں نے مرہٹوں کو کیا دیا کیا چھینا

قوم مراٹھا تاریخ کے آئینے میں:

ہندوؤں میں تاریخ محفوظ کرنے کا مزاج نا کے برابر رہا، اور جو تاریخ رقم ہے وہ تاریخ کم افسانہ و افسوں زیادہ ہے۔ مسلمان ہندوستان میں آئے تو ہند کی تاریخ شاہانِ ہند کے ذیل میں لکھی جانے لگی، چوں کہ شاہانِ ہند اکثر شمالی ہند میں بستے تھے اس لیے عموماً وہاں کا تذکرہ زیادہ ہوتا، ضمناً جنوبی ہند (دکن) کا تذکرہ بھی ہوتا، ان تاریخ کی کتابوں میں کہیں مراٹھا قوم کا تذکرہ نہیں ملتا۔

مولوی محمد ادریس نجیب آبادی لکھتے ہیں:

مورخینِ عالم عام طور پر اس بات کے شاکی ہیں کہ ہندوؤں نے اپنے عہدِ حکومت میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے اپنے ملک کی کوئی تاریخ جس کو تاریخ کہا جاسکے نہیں لکھی اور اسی لیے اس ملک کی قدیم تاریخ پر تاریکی کے ایسے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح ان کو ہٹا کر حقیقت کا دَور نہیں دیکھا جاسکتا۔

مہاراشٹر اور مرہٹوں کے قدیم تاریخی حالات مسلمانوں کی آمد سے پہلے کے

یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں ہوسکتے۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد اور علاء الدین خلجی کے حملۂ دکن کے وقت بھی مرہٹوں کا کوئی ذکر تاریخوں میں نہیں پایا جاتا، محمد تغلق کے اخیر عہدِ حکومت تک تمام دکن پر اسلامی حکومت قائم تھی، دکن کا ملک کئی صوبوں پر تقسیم تھا جن میں چھوٹی چھوٹی باجگزار ہندو ریاستیں بھی تھیں اور ہر صوبہ پر الگ الگ صوبہ دار متعیّن تھے۔ مہاراشٹر جس صوبہ میں شامل تھا اس پر سلطان محمد تغلق کا استاد میر حسن قتلغ خان سترہ اٹھارہ سال تک مامور رہا، مالابار، میسور، وَرنگل وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی سرکشیوں، بغاوتوں اور لشکر کشیوں کے تفصیلی حالات تو تاریخوں میں مذکور ہیں لیکن خاص مہاراشٹر اور مہاراشٹر کے قدیم باشندوں یعنی مراٹھوں کا کوئی تذکرہ تاریخوں میں بیان نہیں ہوا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانہ میں ان لوگوں کو کوئی قابلِ تذکرہ حیثیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں! اس ملک کی آب و ہوا کا یہ اثر ضرور پایا جاتا ہے کہ جو سردار عرصۂ دراز تک یہاں رہا وہ سرکشی وبغاوت پر ضرور آمادہ ہوا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات اور بہمنی سلطنت کی بنیاد قائم ہونے تک دکن کو اسلامی شہنشاہی میں شامل ہوئے تقریبًا نصف صدی گزر چکی تھی، اس نصف صدی میں ہزارہا مسلمان خاندان شمالی ہند سے دکن میں حکمران اور فاتح قوم کی حیثیت سے آکر بود و باش اختیار کر چکے تھے اور دکن کی جنگی قوت سے مراد دکن کی اسلامی آبادی تھی اور یہ اسلامی آبادی زیادہ تر افغانی اور کمتر ایرانی، عراقی لوگوں پر مشتمل تھی جن میں خال خال نومسلم بھی شامل تھے۔

جب اسماعیل خان افغان اور حسن گانگوی وغیرہ عاملانِ دکن نے سلطنتِ دہلی سے بغاوت و سرکشی اختیار کی ہے تو اسی ملکِ مَرہٹہ کا شمالی حصہ افواجِ دہلی اور باغیانِ دکن کی معرکہ آرائیوں کا میدانِ جنگ تھا۔ ان معرکہ آرائیوں میں مہاراشٹر کے کسی باشندے اور کیسی دستۂ فوج کا ذکر نہیں آتا۔ جو دلیل اس بات کی ہے کہ مہاراشٹر کے باشندوں میں اُس وقت تک یہ صلاحیت و قابلیت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے دَوش بدوش کھڑے ہوکر کام کر سکیں۔

بہمنی سلطنت کے قیام واستحکام کے بعد بھی عرصۂ دراز تک مرہٹوں کی کسی قابلیت کا کوئی تذکرہ تاریخوں میں نہیں ملتا، حالاں کہ بہمنی سلطنت کو اس ملک کے باشندوں سے کوئی نفرت وعداوت نہ تھی بلکہ وہ اس ملک کے قدیم باشندوں کی امداد واعانت کی خواہاں اور ان کے ساتھ تعلقات ویگانگت قائم کرنے پر بہ دل آمادہ و مستعد تھی، چنانچہ حسن گانگوئی بانی سلطنتِ بہمنی نے تخت پر قدم اور سر پر تاج رکھنے کے بعد نہ صرف سلطنت کے مرکزی دفاتر بلکہ صوبوں اور ضلعوں کے دفاتر بھی محمد بن قاسم فاتح سندھ کی تقلید میں سب برہمنوں کے سپرد کر دیے اور دکن کے ان برہمنوں ہی سے اس بات کی ابتداء ہوئی کہ برہمنوں کی قوم بخوشی مسلمانوں کی نوکریاں کرنے لگی، اس سے پہلے عام طور پر دکن کے برہمن، مسلمانوں کی نوکری سے پرہیز کرتے اور اپنے انہی حقوق و مشاغل پر قانع تھے جو ''قانونِ منو'' نے ان

کے لیے تجویز کر دیئے تھے اور وہ فارغ البالی اور بے منّت زندگی بسر کرنے کے لیے کافی تھے۔

۷۴۸ھ مطابق ۱۳۴۷ء سے قریبًا پونے تین سال بعد تک دکن کی اسلامی سلطنت کے تمام دفاتر پر برہمنوں کا مکمل قبضہ رہا اور اس کے بعد کم و بیش اکثر دفاتر مسلمانوں نے برہمنوں کے سپرد رکھے اور مسلمانوں ہی کی بدولت برہمنوں کو دکن میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، سلطنتِ بہمنی نے شروع ہی سے دکن کے ہندوؤں کی تربیت اور ان کی ہمت افزائی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور مرہٹوں کی ناقابلِ التفات اور غیر اہم قوم کو بھی گاؤں کی نمبرداریوں سے ترقی دے کر سرداریاں دینی شروع کر دیں تھیں۔ چنانچہ ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۸ء کے قریب اور سلطان محمد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن گانگوئی بہمنی کے عہدِ حکومت کا واقعہ ہے کہ مہاراشٹر کا صوبہ دار بہرام خان مازندرانی راجۂ بکلانہ کے اغوا سے باغی ہوا، جن لوگوں نے اس بغاوت و سرکشی میں اس کا ساتھ دیا ان میں "کنبھ دیو" نامی ایک مَرہٹہ کا نام بھی آتا ہے۔ جو کسی معمولی سی جمعیت کا سردار یا کوئی معمولی سا زمیندار تھا۔ اگر یہ شخص مہاراشٹری برہمن نہ تھا تو اس کو پہلا مَرہٹہ سپاہی یا مَرہٹہ راج پوت سمجھنا چاہیئے جس کا نام تاریخوں میں آیا، اسی زمانہ میں شیواجی کے مورثِ اعلیٰ کا مہاراشٹر میں آنا بیان کیا جاتا ہے۔ (تاریخِ مَرہٹہ؛ مصنف: مولانا محمد ادریس نجیب آبادی)

شیواجی اور اس کے خاندان کی نسبت شیواجی کے بعد دکن کے برہمنوں نے حسبِ عادت ایک کہانی تصنیف کی ہے جس کے صحیح یا غلط ہونے کی کوئی تاریخی شہرت موجود نہیں۔

مفتی شوکت علی فہمی لکھتے ہیں:

''مَرہٹے اپنے آپ کو راجپوت اور مہاراناچتّوڑ کی اولاد میں سے بتاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کے آباء واجداد چتّوڑ سے آکر یہاں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی سُراغ نہیں ملتا کہ ان کا دعویٰ کس حد تک درست ہے۔ بلکہ تاریخ میں تو سلطنتِ بہمنی کے قیام تک ان کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ان کا نام پہلی مرتبہ اس وقت منظرِ عام پر آیا جب ۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) میں سلطنتِ بہمنی کے ختم ہونے کے بعد اس کی خاک سے احمد نگر، برار، گولکنڈہ، بیجاپور اور بیدر کی پانچ مسلم ریاستیں بنیں۔ (ہندوستان پر مغلیہ سلطنت)

بہمنی سلطنت ''محمود گاوَاں'' کے زمانہ میں اپنے عروج پر تھی، محمود گاواں کی زندگی سادہ تھی اور اہلِ علم کی صحبت میں رہتا تھا۔ اس کے کتب خانہ میں کئی ہزار کتابیں تھیں۔ محمود گاواں نے بیدر میں ایک عظیم الشان مدرسہ بھی بنوایا جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ (ملّتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ از ثروت صولت)

محمد ادریس نجیب آبادی لکھتے ہیں:

سلطنت بہمنی کا مشہور معروف وزیرِ اعظم خواجہ محمود گاواں ایک طرف اپنی

علم دوستی، معقول پسندی، شجاعت شعاری اور وفاداری کے لئے شہرۂ آفاق تھا۔ تو دوسری طرف رعایا پروری اور درماندہ وذلیل لوگوں کو تربیت دے کر بلند مقام پر پہنچانے کی کوششوں میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس نے عراقی، عجمی، حبشی غلاموں کو شائستہ بناکر امیر الامرائی کے مرتبہ تک پہنچایا، اور سب سے پہلے خصوصی اہتمام کے ساتھ مرہٹوں کی جنگلی و وحشی قوم کو جو اقوامِ ہندوستان میں بالکل غیر معروف اور ناقابلِ التفات قوم تھی، شائستہ بنانے کی کوشش کی۔

مراٹھوں کے عروج اور شائستگی کا پہلا سبب: محمود گاواں کی نظرِ التفات

خواجہ محمود گاوان مرہٹوں کی قوم سے ان کی جبلی وحشت وجہالت کے دور کرنے اور شائستہ بنانے میں اگر چہ ناکام رہا؛ لیکن خواجہ محمود گاواں ہی کی نظرِ التفات کا نتیجہ تھا کہ مرہٹوں میں بعض ایسے اشخاص پیدا ہو سکے جو اپنی قوم کے سپاہیوں کو اپنا محکوم رکھ کر ان سے کام لے سکیں اور بہمنی سلطنت کے معمولی فوجی اہلکاروں کی فہرست میں شامل ہو سکیں۔ ان مَرہٹہ سپاہیوں نے اگرچہ میدانِ جنگ میں ابھی تک کوئی کارِ نمایاں نہیں کیا، لیکن دشمن کے لشکر گاہ پر چھاپے مارنے، اس کے سامانِ رسد کو لوٹنے، خراب کرنے اور دشمنوں کے مویشیوں کو پکڑ لانے میں بہت کار آمد ثابت ہوئے۔ یہ برگی کے نام سے مشہور ہوئے، برگی کا لفظ دکن کے مسلمانوں میں لٹیرے کا ہم مفہوم ہو گیا تھا۔

مراٹھوں کے عروج اور شائستگی کا دوسرا سبب: مسلمانوں میں رشتہ داریاں

قاسم برید بانیِ سلطنتِ برید شاہیہ بیدر نے مرہٹوں کی نواحِ جالنہ میں ۸۹۰ھ کو بسببِ بغاوت اچھی طرح گوشمالی کی اور ان کے سب سے بڑے سردار کو قتل کر کے اس کی بیٹی سے اپنے بیٹے امیر برید کا نکاح کیا، اس رشتہ داری کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ قریبًا چار سو رشتہ دار امیر برید کے ملازم ہوگئے اور کچھ عرصہ ملازم رہنے کے بعد ان میں سے اکثر بطیبِ خاطر مسلمان بھی ہوگئے۔

۹۶۱ھ کے قریب یوسف عادل بانیٔ سلطنتِ عادل شاہیہ نے کمند رائے نامی باغی مَرہٹہ سردار کا سر کچلا اور اس کے اہل وعیال اَسیر ہوکر آئے، ان میں ایک عورت کمند رائے کی بہن تھی جس کی عمر سولہ سال تھی، وہ مسلمان ہوکر یوسف عادل شاہ کے نکاح میں آئی۔ اسی مَرہٹہ عورت سے یوسف عادل شاہ کا بیٹا اسماعیل عادل شاہ پیدا ہوا۔ جو باپ کا جانشین اور بیجاپور کا بادشاہ ہوا۔ اسماعیل عادل شاہ کی تین حقیقی بہنیں بھی تھیں: ایک کا نام ''مریم سلطان'' تھا جس کی شادی احمد نگر کے بادشاہ برہان نظام شاہ سے ہوئی۔ دوسری ''خدیجہ سلطان'' تھی جس کی شادی علاؤ الدین عماد الملک سے ہوئی۔ تیسری محمود شاہ بہمنی کے نکاح میں آئی۔ اس طرح دکن کے اسلامی سلاطین سے مرہٹوں کی رشتہ داریاں ہوگئیں ان رشتہ داریوں نے بھی مرہٹوں کی اہمیت اور عزت کو بہت کچھ بڑھایا اور ان کے حوصلوں میں بلندی اور ارادوں میں طاقت پیدا ہوگئی۔ (تاریخِ مَرہٹہ)

مراٹھا قوم میں اولوالعزمی کس طرح پیدا ہوئی؟

اس کا جواب مراٹھا قوم کے عروج اور طاقت ور بننے کا تیسرا اور اہم سبب ہے یعنی مسلمانوں کی خانہ جنگی اور آپسی اختلاف۔

اس کی تفصیل بقول مولانا محمد ادریس نجیب آبادی یہ ہے:

۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء میں اسماعیل عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور فوت ہوا، اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ اسماعیل عادل شاہ مذہباً شیعہ تھا۔ اس کا بیٹا ابراہیم عادل شاہ شیعیت سے سخت متنفر اور پکا سنّی تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ بیجانگر کی ہندو ریاست نے مسلمانوں کو جنگی قابلیت میں ہندوؤں سے فائق و برتر محسوس کر کے اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور ان کے لیے دارالسلطنت بیجانگر میں مسجد تعمیر کرائی اور ہر قسم کی رعایتیں ان کے لئے رَوا رکھیں۔ لیکن ابراہیم عادل شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت عادل شاہی بیجاپور کے شیعہ امرا کی وفاداری مشتبہ ہوگئی۔

ادھر احمد نگر کی نظام شاہی سلطنت جو مذہباً سُنی اور مہدوی تھی؛ شیعہ ہوگئی، نظام شاہی اور عادل شاہی دونوں اسلامی سلطنتیں ایک دوسرے کی رقیب تھیں، ان دونوں سلطنتوں کی تبدیلیِ مذہب یعنی شیعہ سُنی کشمکش نے دونوں کو مجبور کر دیا کہ دونوں مرہٹوں کو فوج میں بھرتی کریں اور مرہٹوں ہی پر اعتماد کریں۔ مرہٹوں کا ملک ان ہی دونوں سلطنتوں میں منقسم تھا۔ مرہٹے جنگ چپاول میں مفید ثابت ہو ہی

چکے تھے، عجیب لطف کی بات تھی کہ ادھر بیجانگر کی ہندو ریاست تو مسلمانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر رہی تھی اور مذکورہ اسلامی ریاستوں کے مسلمان سپاہی یہاں سے نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر وہاں جاتے اور نوکریاں پاتے تھے اور ادھر مرہٹے نظام شاہی اور عادل شاہی ریاستوں کی فوج میں دھڑادھڑ بھرتی ہو رہے تھے۔

اب مرہٹوں کو ان دونوں مذکورہ اسلامی ریاستوں میں بڑی بڑی جاگیریں دو دو ہزار سے لے کر دس دس ہزار مَرہٹہ سپاہیوں کی سپہ سالاریاں ملنے لگیں اور ان کو راؤ اور نایک وغیرہ کے خطابات دیئے جانے لگے اور شاہی درباروں میں باریاب ہو کر زمرۂ امراء میں جگہ پانے لگے۔

دکن میں شیعہ سنی کا جھگڑا شاہ طاہر شیعی نے برپا کیا اور اس شیعہ سنی فساد نے مرہٹوں کی عزت و وقعت میں یکایک دس گناہ اضافہ کر دیا، بلکہ یوں کہیے کہ تحت الثریٰ کی پستی سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ شاہ طاہر شیعی مرہٹوں کا سب سے بڑا محسن ثابت ہوا۔ ابراہیم عادل شاہ نے مذکورہ بے اعتمادی کی بنا پر جو اس کو شیعوں کے ساتھ تھی، بارہ ہزار پیادوں کی فوج کا افسر ایک مَرہٹہ کو بنایا اور غالباً یہ سب سے بڑا جنگی عہدہ تھا جو ایک مَرہٹہ کو حاصل ہوا۔ اسی طرح سلطنتِ نظام شاہیہ میں بھی مرہٹوں کو غیر معمولی طور پر رسوخ و اقتدار حاصل ہوا۔

سلطنتِ قطب شاہیہ کی مَرہٹہ نوازی:

ابراہیم قطب شاہ بادشاہِ گولکنڈہ نے ایک مَرہٹہ پنڈت مراری راؤ کو دس ہزار مَرہٹہ فوج کا افسر بنا کر اس کا اقتدار واختیار یہاں تک بڑھا دیا تھا کہ وہ ان کاموں میں بھی دخل دیتا جو خاص میر جملہ (وزیرِ اعظم) سے تعلق رکھتے تھے۔ بالآخر ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں مراری راؤ کو ابراہیم قطب شاہ نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔ اس مراری پنڈت نے وزیرِ اعظم ہو کر مقام اوونی کے متّصل ایک بت خانہ پر حملہ کر دیا اور وہاں سے چاندی سونے کے بہت سے بت لا کر ابراہیم قطب شاہ کی خدمت میں پیش کئے، آج تک کسی مسلمان بادشاہ یا مسلمان سپہ سالار کو اس بات کا خیال تک نہ آیا تھا کہ ہندوؤں کے بت خانوں پر حملہ کر کے بت خانوں کے بتوں اور چاندی سونے کے سامانوں پر قبضہ کرے، لیکن پنڈت جی نے اس کام کو نہایت دلیری و بے باکی کے ساتھ انجام دیا۔

مولانا محمد ادریس لکھتے ہیں:

"اس واقعہ کے بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ مسلمانوں نے دکن میں ہندوؤں کے بتوں اور بت خانوں کے ساتھ کوئی نامناسب سلوک نہیں کیا، یہ کام اگر کیا تو خود برہمنوں نے ہی کیا، مسلمان اگر ہندوؤں کے معبدوں، مندروں کو برباد کرنا ضروری سمجھتے تو مذکورہ مندر مراری پنڈت سے بہت پہلے برباد ہو چکا ہوتا۔ اور اس وقت تک موجود نہ ہوتا ہے۔" (تاریخِ مَرہٹہ)

نویں صدی ہجری میں مرہٹے:

نویں صدی ہجری کے خاتمہ پر سلطنتِ بہمنی پارہ پارہ ہوکر پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہوئی، جن میں سے (۱) نظام شاہیہ احمد نگر اور (۲) عماد شاہیہ برار، یہ دو سلطنتیں تو ہندو نژاد نومسلموں کی تھیں یعنی احمد نگر کی سلطنت کا بانی، بیجاپور کا ایک نومسلم برہمن زادہ خواجہ محمد محمود گاواں کا دست گرفتہ اور برار کی سلطنت کا بانی ایک کناری ہندو زادہ نومسلم تھا۔ جو بیجانگر کی کسی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوکر غلاموں کے زمرہ میں شامل ہوا اور امارت کے درجہ تک فائز ہوا پھر اسلام سے مشرف ہوا تھا۔

باقی تین سلطنتوں میں (۳) سلطنتِ برید شاہیہ کا بانی ایک گرجی غلام تھا۔ (۴) قطب شاہیہ خاندان اپنے آپ کو قرا یوسف ترکمان کی نسل سے بتاتا اور (۵) عادل شاہیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نسلاً ترکانِ عثمانی سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیکن ان تینوں خاندانوں کی رشتہ داریاں مرہٹ کے ہندوؤں یا یوں کہیے کہ مرہٹوں سے ہوئیں۔ ان تینوں خاندانوں کے اکثر فرماں روا مرہٹن ماؤں کے بیٹے اور مرہٹن دادیوں کے پوتے تھے۔ اول الذکر دونوں نومسلم فرماں رواخاندان اپنے آپ کو خود علی الاعلان ہندو نژاد ظاہر کرتے تھے اور ان کے ہندو نژاد ہونے پر ان کے ہم چشم دوسرے سلاطین ان کو اپنے آپ سے حقیر کہتر نہ جانتے تھے۔ یہ مذکورہ

سلطنتیں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پُرخاش رہیں، ان میں سینکڑوں مرتبہ دوستی کے معاہدے ہوئے اور سینکڑوں مرتبہ ٹوٹے۔ قریبًا سو سال تک یہی کیفیت مسلسل جاری رہی، اس آپس کی کٹا چھنی میں مرہٹوں کی قوم جو ڈاکہ زنی اور چھپ چھپ کر چھاپے مارنے اور چوروں کی طرح سامانِ رسد کو لوٹ کر لے جانے اور تھوڑا سا مقابلہ کر کے فوراً بھاگ جانے اور پھر موقع پاکر سامنے نمودار ہونے میں طاق تھی۔ بڑی کارآمد محسوس ہوئی۔

مرہٹوں سے ایک ہی قسم کا کام لیا جاتا تھا۔ سامانِ رسد کے لوٹنے اور چھاپے مارنے سے وہ غالب لشکر کو مغلوب بنا دیتے تھے اور دکن کے مذکورہ سلاطین کے درباروں میں ان کی اس کارگزاری کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

یہی مذکورہ سو سال تھے جن میں مرہٹوں نے اپنے آپ کو کسمپرسی اور پستی کی حالت سے نکال کر دکن کی قابلِ تذکرہ قوموں میں شامل کیا تھا۔ تاہم شمالی ہند میں کوئی شخص مرہٹوں کے نام سے واقف نہ تھا اور نہ ان کا کوئی تذکرہ شمالی ہند کے کسی مورخ کی کسی تصنیف میں آیا۔

دکن کے مذکورہ اسلامی درباروں میں اس لیے بھی مرہٹوں کو باریاب ہونے کا موقع ملا کہ وہ اکثر سلاطینِ دکن کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق رکھتے تھے اور ان کی ہم قوم عورتیں شاہی محلوں میں بادشاہ بیگم بنی ہوئی موجود تھیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے مرہٹوں کو دکن کی دوسری دیسی اور پردیسی قوموں کے مقابلے میں کوئی امتیاز یا

اہمیت حاصل نہ تھی، مثلاً پٹھان، حبشی، مغل، ترکی، ایرانی، دکنی مسلمان، عرب وغیرہ کے مقابلے میں مرہٹوں کا مرتبہ نہایت پست تھا۔

مولوی محمد ادریس نجیب آبادی لکھتے ہیں:

مذکورہ تاریخی اشارات میں صرف انہیں واقعات کو یک جا فراہم کر دیا گیا ہے جن میں مرہٹوں کا کوئی نہ کوئی ذکر آگیا ہے۔ ورنہ دکن کی تمام تاریخ انھیں مذکورہ اقوام کے عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے اور بہت مجموعی مرہٹوں کے کارنامے کسی قطار شمار ہی میں نہیں آسکتے۔ اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کے عہدِ حکومت میں شمالی ہند کے سپہ سالاروں اور شمالی ہند کی فوجوں کو سلاطینِ دکن اور دکن کی فوجوں اور دکن کے سرداروں سے اکثر واسطہ پڑتا رہا ہے۔ جس کا مفصل تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے لیکن مرہٹوں کا کسی اولوالعزم، فاتح اور جنگجو قوم کی حیثیت سے کوئی نمایاں تذکرہ نہیں آتا۔ اکبر کے زمانہ میں کئی مرتبہ دربارِ مغلیہ کے بڑے بڑے دیدہ وَر اور واقعہ نگار سفیر بیجاپور، گولکنڈہ اور احمد نگر میں آئے اور انھوں نے ان درباروں اور درباری امیروں کے حالات قلم بند کیے۔ لیکن کسی مَرہٹہ امیر یا مَرہٹہ سردار کا قطعًا کوئی ذکر نہیں آیا۔

تاریخ میں گمنام مرہٹے

اکبر کے عہدِ حکومت میں عرصۂ دراز تک احمد نگر کی سلطنت سے لڑائیوں کا

سلسلہ جاری رہا اور بہت سے بڑے بڑے معرکے پیش آئے ان تمام معرکہ آرائیوں میں دکن کے بڑے بڑے مشہور سرداروں اور بہادروں کے نام آتے ہیں اور ان کے کارناموں کی تفصیل بیان ہوتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ سلطنتِ احمد نگر کی طرف سے لڑنے والے بہادروں میں کسی مَرہٹہ سردار کا نام نہیں آتا۔ حالاں کہ یہ لڑائیاں مرہٹوں کے ملک اور خاص احمد نگر کے متّصل بکثرت ہوئیں۔ اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کی جفاکش اور بہادر فوج سے سلطنتِ احمد نگر کے حبشی پٹھان اور عرب سردار جو دکن کو اپنا وطن بنا چکے تھے، میدانی لڑائیاں لڑنے والے ہوسکتے تھے۔ مرہٹے جو چھوٹے درجے کے سردار اور قزاقانہ چھاپے مار سکتے اور قزاقانہ جنگ بہ گُریز کرسکتے تھے، ان خون ریز معرکوں میں کوئی نمایاں خدمت انجام دینے کی قابل نہ تھے۔

مرہٹوں کی ترقی کی راہ میں عظیم موڑ اور ان کا محسن ایک نمبر: ملک عنبر

شاہِ احمد نگر ملک عنبر نے اپنے ہم عصر مسلک حکمراں سے بچنے کے لیے مرہٹوں کی بہت سی جدید پلٹنیں بھرتی کرکے اپنی فوج میں ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھالی اور ان کو اُس وقت سب سے ترقی یافتہ اصولِ جنگ کے موافق قواعد داں اور شائستہ بھی بنالیا تھا۔ ملک عنبر ہی سب سے پہلا فرماں روا ہے جس نے مرہٹوں کو جنگی تربیت دینے اور ان کو اہم فوجی خدمت بجالانے کے قابل بنانے اور بڑی بڑی

جاگیریں عطا کرنے اور قلعوں کی حفاظت وقلعہ داری کے فرائض انجام دینے کے قابل بنایا۔

مرہٹے شاہ جہاں کی خدمت میں:

۱۰۳۹ھ مطابق ۱۶۲۹ء میں جب شاہ جہاں احمد نگر کے خلاف اور خان جہاں لودھی کی گرفتاری و تعاقب کے لیے برہان پور میں آکر مقیم ہوا، تو سلطنتِ احمد نگر کے مَرہٹہ سردارانِ لشکر: جادورائے، ساہو بھوسلے، سنبھا جی پسرِ کلاں ساہو بھوسلے، جگدیو، پتنگ راؤ تینا جی (برادر ساہو بھوسلے)، اپنے آقائے ولیِ نعمت (ملک عنبر) سے جدا ہوکر شاہجہاں کے سپہ سالارِ اعظم ''خان اعظم'' کے پاس چلے آئے جو ''شیو گاؤں'' میں مقیم تھا اور اس سپہ سالار کی معرفت شاہجہاں کی خدمت میں پیش ہوکر مناصب وخلاعِ فاخرہ سے مفتخر ہوئے اور بیش قرار جاگیریں پائیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شہنشاہِ ہند شاہجہاں کے دربار سے مرہٹوں کو منصب و جاگیر اور خلعت ملے۔ اس وجہ سے کہ دکن کی مہمات میں اب مرہٹوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہوچکی تھی۔

مَرہٹہ سردار شیواجی

۱۰۳۶ھ = ۱۶۲۷ء میں ساہو بھوسلے کے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ''شیوا'' رکھا

گیا، یہی ''شیواجی'' بھوسلے مرہٹہ اپنی قوم کا سب سے زیادہ مشہور شخص ہوا۔ اپنے وطن موضع بھوسلے کی وجہ سے بھوسلے کہلاتا تھا۔

مفتی شوکت علی فہمی لکھتے ہیں:

شاہ جی کے دو بیٹے تھے: بڑا بیٹا سمبھاجی زیادہ تر باپ کے پاس رہتا تھا (جس نے باپ ہی کی حیات میں وفات پائی) اور چھوٹا بیٹا شیواجی ماں کے پاس پونا میں رہتا تھا۔ ماں نے شیواجی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ایک برہمن ''داندا جی کندیو'' کے سپرد کر دی تھی۔ داندا جی کندیو شیواجی کا اتالیق بھی تھا۔ اور شاہ جی کی پونا کی جاگیر کا ناظم بھی تھا۔ اس نے شیواجی کو تھوڑی سی دھارمک تعلیم دینے کے بعد سپہ گری کی تعلیم دینا شروع کر دی اور چند روز میں شہواری، شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی سکھادی۔ اس کے علاوہ تیرنا، پہاڑوں کے نشیب و فراز پر اترنا اور چڑھنا سکھایا۔ غرضیکہ سولہ سال کی عمر میں اس نے شیواجی کو ایک مکمل سپاہی بنا دیا۔ شیواجی نے اس کم عمری میں چھوٹے موٹے حملے کرنے شروع کر دئے تھے۔ اس نے مرہٹوں کی جفاکش قوم ''ماولیوں'' کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ کوئی بڑی یلغار کر کے نام پیدا کرے۔

مَرہٹہ سردار شیواجی کی سرگرمیاں

شیواجی کو کسی بڑے یلغار کے لئے قلعہ کی ضرورت تھی۔ اور بیجاپور کے بہت

سے قلعے ناکارہ اور ویران پڑے تھے۔ چنانچہ اس نے والیِ بیجا پور کو درخواست دے کر زائد محصول اور اقرارِ اطاعت پر ''توڑنا'' کا قلعہ لے لیا جو پونا میں بیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس قلعہ کی مرمّت کرائی تو اس کی خوش قسمتی سے وہاں سے ایک بڑا خزانہ نکل آیا۔ جس سے اس نے اچھی خاصی بڑی فوج فراہم کرلی۔

اس کے علاوہ باپ کی پونا کی جاگیر کا روپیہ بھی فوج اور ہتھیاروں پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے پاس کافی جمعیت ہوگئی ہے تو بیجا پور کے ایک قلعہ پر جو پونا کے شمال میں تھا اور ''چاکنہ'' کا قلعہ کہلاتا تھا، چپکے سے قبضہ کر لیا۔ پھر ''قلعہ گندنا'' پر بھی قابض ہو گیا اور ان دونوں قلعوں کے عادل شاہی عاملوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

شیواجی کی سرگرمیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ''پورندھر'' کے قلعہ کے منتظم کے مرتے ہی یہ اس پر بھی قابض ہو گیا۔ اپنے باپ کی جاگیر کا انتظام اس نے ایسا عمدہ کیا کہ اس کی آمدنی دوگنی اور تگنی ہوگئی۔ ''چاگنہ'' سے لے کر ''نیرا'' تک کے علاقہ پر اس کا تسلط ہو گیا، جس میں کہ کئی نہایت مضبوط اور محفوظ قلعے تھے۔ جب شیواجی نے دیکھا کہ اس کی طاقت کافی بڑھ گئی ہے۔ تو اس نے اپنے باپ کے آقائے ولیِ نعمت والیِ بیجا پور پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے والیِ بیجا پور کا تین لاکھ اشرفیوں کا خزانہ لوٹا جو کلیان سے بیجا پور لے جایا جا رہا

تھا۔ کانکن پر اس نے حملہ کر دیا۔ اور جن مقامات میں دولت تھی ان کو اُجاڑ کر رکھ دیا۔ کلیان فتح کر لیا، غرض یہ کہ شیواجی نے بیجاپور میں ایک طوفان برپا کر ڈالا۔

شیواجی کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے ہر معاملہ کو مذہبی رنگ میں رنگ دیتا تھا۔ وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتا رہتا تھا کہ دیوتا اور دیویوں نے اسے ایک خاص طاقت عطا کی ہے جس کے بل پر وہ کامیابی پر کامیابی حاصل کر رہا ہے، چنانچہ اس نے اپنے ہزاروں معتقد پیدا کر لئے تھے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی علاقہ میں حملہ کریں تو مندر یا مسجد کو نقصان نہ پہنچائیں، اسے مسلمانوں کے حوالے کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے سپاہی کسی عورت کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے۔ جو ایسا کرتا تھا اسے سخت سزا دیتا تھا۔ جو عورتیں قید ہو کر آتیں، اُن کو بحفاظت رکھتا تھا اور معاوضہ لینے کے بعد وارثان کو واپس کر دیتا تھا۔

شیواجی نے چاروں طرف ہاتھ مارے مگر زمانۂ دراز تک مغل سلطنت کی جانب رُخ نہیں کیا۔ وہ مغل بادشاہ کی ملازمت کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتا تھا۔ جس زمانہ میں کہ اورنگ زیب ایامِ شہزادگی میں بیجاپور کے خلاف جنگ کر رہا تھا۔ شیواجی اس کے ملازموں میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں کی اورنگ زیب کے ذریعہ شاہی سند بھی حاصل کر لی تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ

اورنگ زیب بری طرح سے بیجاپور کی جنگ میں الجھ گیا ہے۔ اور بادشاہی علاقے فوج سے خالی پڑے ہیں، تو اس نے مغل علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا، اس نے ''خبیرہ ''کولوٹا اور'' احمد نگر'' پر ہاتھ مارا، ان حملوں میں اسے بے اندازہ سامانِ جنگ اور کئی سو گھوڑے ملے، تو اس نے پہلی مرتبہ سواروں کا دستہ تیار کیا اور پٹھانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کردیا۔ اور اس نے ایسی باقاعدہ فوج تیار کرلی، جو ایک اچھے سے اچھے ترقی یافتہ لشکر سے میدان میں آکر بخوبی مقابلہ کرسکتی تھی۔

مغل شاہزادوں کی خانہ جنگی سے بھی اس نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ چنانچہ وہ ایک طرف تو مغلوں کے مقابلہ کے لئے اپنی فوجی طاقت بڑھاتا رہا۔ اور دوسری جانب مغلوں سے پیام وسلام اور معذرت کے ذریعہ اپنی گذشتہ حرکتوں کی اس نے معافی بھی حاصل کرلی، اس کے علاوہ کانکن کا علاقہ بھی اورنگزیب سے یہ کہہ کر لے لیا کہ میں موجود مغل اہلکاروں سے بہتر اس کا انتظام کرکے دکھادوں گا،اورنگزیب کیوں کہ اس وقت بھائیوں کی جنگ کی وجہ سے چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے شیواجی کو اچھا آدمی نہ سمجھتے ہوئے بھی اس سے بگاڑ پیدا کرنا پسند نہیں کیا۔ غرض کہ اس نے شیواجی کو معافی نامہ بھی بھجوادیا اور کانکن کا انتظام بھی اس کے سپرد کردیا۔

شیواجی کی کرتب بازیاں اور قلابازیاں اسی طرح چلتی رہیں، اپنے مفاد کے خاطر کبھی وہ اورنگ زیب کے بہی خواہوں میں نظر آتا، کبھی اپنی حرکتوں کی بنا پر گرفتار ہوتا، کبھی افضل خان کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کا جرم کرتا، تو کبھی جسونت سنگھ کے ساتھ سازش رَچ کر امیر الامراء شائستہ خان (شاہی فوج) پر برات بنا کر چوروں کی طرح حملہ کرتا۔

شیواجی کے مقابلے میں مغلوں کی پہلی شکست

آخر الذکر واقعہ (شائستہ خان پر حملہ) ۱۰۷۳ھ مطابق ۱۶۶۳ء واقعہ میں پیش آیا تھا۔ دوسرے دن جب بادشاہی فوج کو معلوم ہوا کہ شیواجی ''سنگڑہ'' میں ہے تو اس نے سنگڑہ پر حملہ کر دیا۔ مگر اس حملہ میں مغلوں کو شکست ہوئی یہ پہلی شکست تھی جو مغل سواروں کو مرہٹوں کے مقابلہ میں ہوئی۔

شیواجی نے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا

شائستہ خان کے ڈر کے فرو ہو جانے کے بعد اس نے چار ہزار سواروں کی مدد سے سورت کو خوب لوٹا۔ سورت اس زمانہ میں ہندوستان کا سب سے دولت مند شہر شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ اس لوٹ میں شیواجی کو بے اندازہ دولت ہاتھ لگی۔ جاگیر بھی اس کے پاس کافی ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس نے طے کیا کہ وہ راجہ بننے کا اعلان کر

دے۔ چنانچہ راجگڑھ میں باقاعدہ طور پر اس کی مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی اور اس نے مہاراجہ شیواجی بھونسلے کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔

شیواجی کا سمندری بیڑا

شیواجی کی سرگرمیاں صرف میدان اور پہاڑی علاقوں ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ اس نے سمندری بیڑا بھی بنالیا تھا۔ شیواجی کے لئے سب سے بڑی سہولت یہ تھی کہ مغربی ساحل کی کئی اچھی بندرگاہیں اس کے قبضہ میں تھیں۔ اس سمندری بیڑے کے ذریعہ اس نے سمندر میں بھی لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کے علاقہ کے ساحل کے قریب سے جو بھی جہاز گزرتا تھا یہ اسے لوٹ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے حاجیوں کے جہازوں کو بھی نہ چھوڑا۔

اورنگ زیب کو جب معلوم ہوا کہ شیواجی نے حاجیوں کے لئے اور سمندری تاجروں کے لئے سمندری راستے بھی بند کر دیے ہیں۔ دکن میں پہلے سے زیادہ طوفان برپا کر رکھا ہے اور جسونت سنگھ جس کو کہ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس کا کچھ بھی نہ بنا سکا۔ تو اس کے دل میں جسونت سنگھ کی جانب سے شبہات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کی بجائے خاص طور پر راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں کو شیواجی کے استیصال کے لئے متعیّن کیا اور حکم دیا کہ وہ شیواجی کی ساری جاگیر کو تاراج کر کے رکھ دیں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں

جب تک کہ شیواجی کے فتنہ کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا انھوں نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔

اب ہمیں شیواجی کبھی دلیر خان کے مقابل پانی بھرتا نظر آتا ہے، کبھی جے سنگھ کے سامنے گھٹنوں میں نظر آتا ہے، کبھی اورنگ زیب سے معافی مانگتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اورنگ زیب سے کئی مرتبہ معافی دیے جانے کے بعد غداری کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ بالآخر ۵ اپریل ۱۶۸۰ء کو شیواجی ۵۳/ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا پوت ''سمبھاجی'' ۱۱۰۱ھ = ۱۶۹۰ء کو گرفتار و مقتول ہوا۔

مفتی شوکت علی فہمی لکھتے ہیں:

شیواجی تو ضرور مر چکا تھا۔ لیکن وہ اپنے پیچھے اچھی خاصی بڑی حکومت بنا کر چھوڑ گیا تھا۔ اور اس نے اپنی قابلیت سے بہت سے بہترین مَرہٹہ سردار پیدا کر دئے تھے۔ لیکن سنبھاجی نے اپنی ناکام دورِ حکومت اور اپنی نا اہلیت کی وجہ سے مَرہٹہ قوم کو مردہ بنا دیا تھا۔ سمبھاجی کے قتل سے اچانک اس میں نئی لہر پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مرہٹوں نے سمبھاجی کے چھوٹے بھائی راجہ رام کو قید خانہ سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ اور مرہٹوں نے قسم کھائی کہ جب تک ہم مغلوں سے سمبھاجی کے خون کا بدلہ نہ لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

مرہٹوں میں سمبھاجی کے قتل سے بلاشبہ غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا اور یہ

حقیقت ہے کہ راجہ رام کی بجائے اس وقت اگر کوئی ہوشیار مدبر ہوتا تو وہ ان کے جوش سے فائدہ اُٹھا کر مغلوں کو بری طرح پریشان کر سکتا تھا۔ لیکن راجہ رام کی جرات اور بہادری کی یہ کیفیت تھی کہ جب اسے معلوم ہوا کہ اورنگ زیب کی فوجیں قلعہ کی جانب آرہی ہیں تو وہ جوگیوں کا بھیس بدل کر فرار ہو گیا اور زمانۂ دراز تک اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔

مغل فوجوں نے مرہٹوں کے ٹھکانوں پر حملے شروع کر دیے۔ سجان گڑھ کے قریب مرہٹوں اور مغلوں کا شدید مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں مرہٹوں کے بہترین سپہ سالار مارے گئے۔ جس کے بعد مَرہٹہ طاقت بے حد کمزور ہو گئی۔ مغلوں نے ایک ایک کر کے تقریباً تمام قلعے مرہٹوں سے چھین لئے۔ اس طرح دکن کی مَرہٹہ حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مرہٹوں کو صرف سمبھاجی اور راجہ رام پسر شیواجی کی نالائقی ہی سے نقصان نہیں پہنچا، بلکہ ان کی آپس کی خانہ جنگی نے بھی مَرہٹہ حکومت کو ختم کر ڈالا۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ یہ تھی کہ ہر مَرہٹہ سردار اپنے آپ کو شیواجی کا جانشین سمجھنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ لوٹ کے مال پر بھی ان میں جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کے آپس کے جھگڑوں نے ان کی حکومت و طاقت کو بالکل فنا کر کے رکھ دیا۔

بالاجی بشوناتھ پیشوا

''ساہوجی بن سمبھاجی'' بذاتِ خود نہایت آرام طلب اور کم حوصلہ شخص تھا۔ اور اسی لئے وہ اپنے چچازاد بھائی ''سنبھاثانی بن راجہ رام بن شیواجی'' اور اپنی چچی رانی تارابائی کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور اور مرہٹوں میں زیادہ بااثر نہیں ہوسکتا تھا۔ ساہو کا صدر مقام ''سَتارا'' اور رانی تارابائی اور سبھاثانی کا جائے قیام کولہاپور تھا۔ ابتداًجب کہ ساہو نے اورنگ زیب کی وفات کے بعد آزاد ہوکر سَتارا میں اپنی ریاست قائم کی تو تقریبًا تمام مرہٹے اس کے گرد جمع ہوگئے اور سَتارا کی ریاست محض چندروز کے لیے تمام مرہٹوں کی مرکزی ریاست سمجھی جانے لگی۔ لیکن بعد میں رانی تارابائی کی لیاقت اور ساہو کی آرام طلبی و بے ہمتی نے کولہاپور کی ریاست کو بتدریج طاقتور بنانا شروع کیا اور مرہٹوں کا اجتماع کولہاپور میں زیادہ ہوگیا۔

لیکن اتفاق سے ساہو کو بالاجی بشوناتھ ایک برہمن مل گیا جو کسی گاؤں کا پٹواری تھا، اس نے بہت جلد ساہو کا تقرب حاصل کر کے ساہو کی پیشوائی یعنی وزارت کا درجہ حاصل کرلیا، اس پیشوا نے اپنی قابلیت سے راجہ ساہو کے کاروبار کو ایسی ترقی دی اور ایسی موثر کوششیں کیں کہ کولہاپور کی ریاست ماند پڑ گئی۔ اور ریاستِ ستارا کی عظمت و محبت مرہٹوں کے دلوں میں قائم ہوگئی۔

امیرالامراء سید حسن علی نے ریاستِ ستارا ہی سے معاہدہ کرنا ضروری سمجھا،

اسی وزیرِ باتدبیر کی کوششوں نے مرہٹوں کو دربارِ دہلی سے وہ حقوق دلائے جو آئندہ مرہٹوں کی شوکت وقوت کا موجب ہوئے اور اسی ہوشیار شخص نے مرہٹوں کی جاہل اور ڈاکہ زن قوم کو فرماں روا قوم بننے کی تعلیم و ترغیب دی۔ بالاجی بشوناتھ نے عرصۂ دراز تک سیّد حسن علی کی خدمت میں رہ کر رموزِ جہاں بانی سیکھے اور مرہٹوں کی لوٹ مار کو آئین و قوانین کے سانچے میں ڈھالا۔ اور اپنے خاندان میں پیشوائی کی جڑ جما گیا۔

بالا جی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ''باجی راؤ'' پیشوا بنا، یہ نوجوان پیشوا عقلمندی، معاملہ فہمی، مآل اندیشی، چالاکی و ہوشیاری میں اپنے باب کا مثیل اور بہادری و سپہ گری و اولوالعزمی میں اس سے بدرجہا فائق تھا۔ اور اسی کی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ نظام الملک آصف جاہ جیسے گرگ باراں دیدہ سردار نے جب دہلی کی گرفت سے آزاد و مطمئن ہو کر دکن میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور اپنی مستقل خود مختار حکومت قائم کرنے کی کوششیں کی، تو مرہٹوں کی طاقت اس کو بڑی خوفناک طاقت نظر آئی اور یہ سب کچھ بالاجی بشوناتھ اور اس کے بیٹے باجی راؤ پیشوا کی موقع شناسی اور معاملہ فہمی کا نتیجہ تھا۔

مرہٹوں کی پہلی میدانی فتح

باجی راؤ نے اپنی کمال ہوشیاری اور دلیری سے نظام الملک کو شکست دی اور

نظام نے مرہٹوں سے دب کر مصالحت کرلی، اس فتح سے باجی راؤ کی تمام دکن میں دھاک بیٹھ گئی اور یہی وہ عظیم الشان پہلی فتح تھی جو میدانی لڑائی میں مرہٹوں کو حاصل ہوئی اور جس نے مرہٹوں کو مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت کے خلاف میدانی لڑائی میں کمر بستہ ہونے کی ترغیب دی اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب یکایک جاتا رہا۔

نظام الملک کا قابلِ حیرت قدم

پھر باجی راؤ اور نظام الملک دونوں کے درمیان عہد نامہ دوستی طے ہوا کہ ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کریں گے اور نظام الملک نے باجی راؤ کو شمالی ہند کی طرف تاخت و تاراج کرنے کی ترغیب دی۔

باجی راؤ بھی اس بات سے آگاہ ہو چکا تھا کہ مرہٹوں کو دور دراز ملکوں میں جنگ وغارت گری میں مصروف رکھا جائے تو ان کے وطن یعنی ملکِ مرہٹ میں امن و امان قائم رہے گا اور لوٹ کے مال سے خزانہ بھی معمور رہے گا۔ اس نے نظام الملک کی دوستی کو غنیمت جانا اور شمالی ہند کی طرف جنگ و چپاول کے لیے برسر پیکار ہو گیا۔

۱۱۴۸ھ سے ۱۱۴۹ھ کے آخر تک نظام الملک کی ترغیب، انگیخت اور رہبری سے مراہٹے پنجاب، دہلی، روہیل کھنڈ، اوَدھ و بہار اور بنگال کے سوا تمام ہندوستان

میں پھیل گئے۔ گجرات، ایم پی، راجپوتانہ، بندھیل کھنڈ، الہ آباد اور اکبر آباد تک ان کی تاخت و تاراج کا رقبہ وسیع ہو گیا اور دہلی، پنجاب، روہیل کھنڈ اور اودھ کو دھمکی دے رہے تھے۔

نظام الملک کا ایک اور حیرت انگیز اقدام

نظام الملک ہی کی دعوت نے اور اس کی طرف سے ایک خطیر رقم کے وعدے نے نادر شاہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے پر برانگیختہ کیا۔ نادر شاہ کے ہندوستان آنے سے مرہٹے اور باجی راؤ سہم کر خاموش ہو گئے۔ اور جب نادر شاہ سلطنتِ دہلی کو اپنی تاخت و تاراج سے کمزور کر کے واپس چلا گیا تو باجی راؤ کے دَم میں دَم آیا اور اس نے اپنے حملوں کا سلسلہ پھر جاری کیا۔

لیکن اس نے میر احمد ناصر جنگ سے شکست کھا کر دَب کر صلح کی۔ اس شکست کے غم میں باجی راؤ ۱۱۵۳ھ کو فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بالاجی راؤ پیشوا ہوا۔ بالاجی راؤ کے دو بھائی اور تھے: ایک کا نام رگھوناتھ راؤ اور دوسرے کا نام شمشیر بہادر تھا۔ مراٹھوں کی سلطنت کا تمام اختیار پیشوا ہی کے ہاتھ میں تھا۔

مرہٹوں کی طاقت کا کمالِ عروج کے بعد زوال

۱۱۶۴ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں مراٹھوں نے بنگال پر بار بار چڑھائیاں کرنے اور شکست کھانے کے بعد بالآخر علی وردی خان حاکمِ بنگال کو اس بات پر مجبور کیا کہ اس

نے کٹک کا صوبہ مرہٹوں کو دے کر اور بنگال کی لگان کا ۱۲ لاکھ روپے سالانہ مقرر کر کے مرہٹوں سے صلح کر لی، اس طرح بنگال جواب تک مرہٹوں کے حکم اقتدار و تسلط سے محفوظ تھا، ایک حد تک مرہٹوں کے زیر اقتدار آگیا اور اسی زمانے میں بالاجی نے اپنے مَرہٹہ اور رقیبوں کو جو اس کی خود مختارانہ حکومت پر معترض ہو سکتے تھے ایک ایک کر کے سب کو فنا اور ختم کر دیا۔

۱۷۱۱ مطابق ۱۷۵۷ میں عماد الملک غازی الدین خان نے مراہٹہ سرداروں: رگھوناتھ راؤ، شمشیر بہادر، ملہار راؤ ہلکر اور تاجی سندھیا وغیرہ کو کثیر افواج کے ساتھ شمالی ہند میں طلب کر کے تمام ملکِ پنجاب پر مرہٹوں کا قبضہ کرا دیا۔ دہلی میں مَرہٹہ فوج نے اپنی چھاونی ڈالی اور روہیل کھنڈ اور اودھ کو فتح کرنے کے لیے بھی مَرہٹہ فوج روانہ کی گئی اور ۱۱۷۲ھ میں نجیب الدولہ (والیِ روہیل کھنڈ) کا محاصرہ شروع ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مرہٹوں کی حکومت اپنے معراجِ کمال کو پہنچ چکی تھی، صوبہ کٹک سے دریائے اٹک تک اور دہلی سے کرناٹک تک تمام برِّ اعظم ہندوستان پر مرہٹے چھا گئے تھے۔ اور جس طرح نظام الملک آصف جاہ اوّل اور صفدر جنگ نے مرہٹوں کو شمالی ہند کی طرف تاخت و تاراج کرنے کی ترغیب دی اور سہولتیں بہم پہنچائیں تھیں، اسی طرح نظام الملک کے پوتے عماد الملک غازی الدین خاں نے مَرہٹہ نوازی میں انتہا کو پہنچ کر دار السلطنت دہلی اور پنجاب پر بھی مرہٹوں کا قبضہ کرا دیا۔

صرف روہیل کھنڈ اور اودھ کے دو چھوٹے چھوٹے صوبے ان کی حکومت سے باہر رہ گئے تھے جن میں اودھ کا صوبہ دار شجاع الدولہ مرہٹوں سے پہلے ہی ساز باز رکھتا تھا، ایک روہیل کھنڈ کا صوبہ ایسا تھا جو مرہٹوں کا دشمن اور مقابلہ پر آمادہ ہو گیا تھا، چنانچہ لب گنگ سکر تال کے مٹی سے بنے ہوئے کچے قلعہ میں نواب نجیب الدولہ کا ایک لاکھ ۲۵ ہزار مرہٹہ فوج نے اچانک محاصرہ کر لیا۔ نجیب الدولہ نے اپنے مٹھی بھر یعنی صرف ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے ساتھ بلا ساز و سامان اور بلا سامانِ رسد چار یا ساڑھے چار مہینے تک مقابلہ کر کے اہلِ عالم کو حیرت زدہ بنا دیا۔

اس کے بعد دو جمادی الآخر ۱۱۷۳ھ کو پانی پت کی تیسری عظیم الشان لڑائی میں پانچ چھ لاکھ مَرہٹہ فوج کو روہیل کھنڈ کے ساٹھ ستر ہزار پٹھانوں اور احمد شاہ درانی کے دس پندرہ ہزار افغانوں نے مل کر شکست فاش دی اور مرہٹوں کی عظیم الشان طاقت جو دو سال سے تقریباً تمام شمالی ہند اور پنجاب پر چھائی ہوئی تھی یکایک پاش پاش ہو گئی۔ بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے مرہٹوں کو اس اوجِ کمال تک پہنچایا تھا اور بعض نے ہمت کر کے ان کو ان کے مقام پر واپس پہنچا دیا۔ دنیا کا ہمیشہ سے ہی دستور چلا آتا ہے کہ کبھی ایک قوم ترقی کر کے اپنا ڈنکا بجاتی ہے، چند روز کے بعد وہی قوم انتہائی تنزل اور گمنامی کے غار میں غائب ہو جاتی ہے۔

ظاہرا گردش گردوں ہے ہنڈولے کی طرح
پست دو چار زمانہ میں ہیں دو چار بلند

(تاریخِ مَرہٹہ از مولوی محمد ادریس نجیب آبادی)

اکبر اور دارا کی بدروحیں

کسی زمانہ میں سرزمینِ ہند پر مسلمانوں کو غلبہ اور دبدبہ تھا، تمام ہندو سربراہوں نے اور ان کی عوام نے مسلمانوں کو اپنے آپ سے سیاسی، فوجی اور حکومتی لحاظ سے برتر اور بہتر سمجھ لیا تھا اور اپنے آپ کو اس سلسلے میں ابتر بلکہ بدتر جانتے تھے، اچھے اچھے راجپوت، برہمن، مراٹھا مسلمانوں کے دربار میں سرِنیاز خم کیے رہتے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں تھی۔

ہندو اینڈ کمپنی (مسلمان دشمن) نے جب یہ دیکھا کہ ان سے تلوار کے بل سے میدان مارنا تو ناممکن ہے، لہٰذا اب بزدلوں کی طرح ان مسلم حکمرانوں کی مسلمانیت کے ختم کرنے کے تانے بانے بننا شروع کر دیے، اور اکبر کے ذریعہ ایک دینِ الٰہی کو رواج دیا، اسی وقت مجدد الفِ ثانی اور ان کے خلفاء بھی حرکت میں آگئے اور رفتہ رفتہ دم بدم اس فتنے کا قلع قمع کر دیا، لیکن پھر شاہجہاں کے بعد دوبارا ''داراشکوہ'' کو ان ہی مسلمان دشمنوں نے حکمراں بنانا چاہا تاکہ وہ اکبر کے دینِ الٰہی کا احیاء کر سکے اور ہندوستان سے اسلام کی حقیقت ختم کر سکیں۔ لیکن اورنگ زیب عالَم گیر کی اولوالعزمی اور بہادری کے سامنے ان ہنودِ بے بہبود اور دارا کی دال نہ گل سکی، اور اسلام کی قلعہ میں دراڑ تو کیا آتی قلعہ اور مضبوط ہو گیا۔

اب جب کہ وہی عناصر (اسلام دشمن) ہندوستان پر غالب ہیں اور جمہوریت کے لبادے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو علانیہ ختم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے بلکہ

ان کو یقین ہو گیا ہے کہ ان تیس کروڑ مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا ہے اس لیے اب اسی ''اکبر و داراکی بدروحوں'' کی واپسی پر اپنا زور خرچ کر رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ ''باقی رہے نام، اسلام کی حقیقت نہ رہے'' مذہبی کٹر پنتی ختم ہو جائے اور سب ایک ابراہیمی مذہب کے پیروکار ہو جائیں اور اس سلسلے میں ان کو ایک امام بدقسمتی سے ''مولانا عمیر الیاسی'' کی شکل دست یاب بھی ہو گئے ہیں۔ سنا ہے کہ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ایک ابراہیمی مذہب بنایا جائے گا جس میں ہر مذہب کی روایتیں اور عبادتیں لیں جائیں گی، تمام مذہب کو حق جانا جائے گا۔

موہن بھاگوت اور ان میں رشتہ ڈھکا چھپا نہیں ہے، بھاگوت کو بھی اپنے ایک بیان میں کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان (مسلمانوں میں) پہلے بھجن تھا، اسلام کے بعد بھجن نہیں کر سکتے تو قوالی لائی گئی، ان میں پہلے مورتی پوجا تھی، اسلام کے بعد یہ نہیں کر سکتے تو درگاہ پوجا شروع کی گئی۔ ان کو سمجھ آ رہی ہے ان کو اور قریب کرنے کی اوشکتا (ضرورت) ہے۔

بہت سے نام نہاد مسلمان کیمرے کے سامنے علی الاعلان ہولی منانے کی قباحت کو نکارتے ہوئے بلکہ کچھ سفید پوش ٹوپی کے ساتھ ہولی مناتے ہوئے نظر آتے ہیں، طلاق کا قانون ہو یا وقف بل کا ایک تعداد اس طرح مسلمانوں کی سامنے آجاتی ہے جو عام مسلمانوں سے ہٹ کر حکومت کے ظالمانہ قانون کی طرف دار ہوتی ہے۔ یہ وہی اکبر و داراکی بدروحیں ہیں جو واپس ہونا چاہتی ہیں۔

شیواجی اور موجودہ حکومت:

کفر ہر زمانے میں نئے رنگ ڈھنگ کے ساتھ آتا ہے، لیکن بغور دیکھا جائے تو ان کی چال ڈھال میں طرز و نہج میں کافی حد تک ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی ہے، آپ شیواجی اور ان کے باپ شاہ جی اور بیٹے سمبھاجی کی زندگی کا مطالعہ کریں تو کبھی وہ آپ کو مغلیہ سلطنت کے نوکروں میں اور بہی خواہوں میں نظر آئیں گے، کبھی غداری کرکے عہد شکنی کرتے ہوئے نظر آئیں گے، کبھی دکنی حکومت کا سہارا لیتے ہوئے، تو کبھی ان ہی پر غارت گیری کرتے ہوئے نظر آئیں گے، کبھی کسی سے معاہد ہوکر معاہد کے مقابل پر جنگ چپاول کرتے ہوئے، تو کبھی اسی معاہد پر شب خون مار کر رات کی تاریکیوں میں اور پہاڑوں کی اوٹ میں غائب ہوجاتے ہوئے نظر آئیں گے، بعض مسلمان حکمرانوں نے بھی انھیں اس برگی انداز سے مقابل لشکر کے لوٹنے کے لیے اپنا ہتھیار بنایا، یہ بن بھی گئے، لیکن بعد میں یہی گلے کی ہڈی بھی بن گئے۔ کھلے میدان میں شانہ بشانہ لڑنے کی نہ ان کی ہمت تھی اور نہ ہی وہ اتنے زور آور ہوئے تھے۔ کبھی ان کو موقع ملتا اپنوں ہی کو لوٹتے اور ان کی زمینوں پر قبضہ کرتے۔

مؤرخ محمد ادریس لکھتے ہیں:

باپ کے آزاد ہوتے ہی شیواجی نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے باوجود اس

کے کہ شیواجی اپنے آپ کو ہندو دھرم کا بڑا بھگت ظاہر کرتا تھا، اس نے اپنے اردگرد کے ہم قوم ہندو جاگیر داروں کو بھی دھوکے سے قتل کرنے اور ان کی جاگیروں پر قبضہ کرنے میں تامل نہیں کیا اور رفتہ رفتہ اپنے مقبوضات کی قوت کو بڑھانے لگا۔

(تاریخِ مَرہٹہ)

کبھی آپ دیکھیں گے کہ وہ مغل دربار میں عاجزانہ معافی نامے لکھ رہے ہیں:

''شیواجی نے ہاتھ جوڑ کر جے سنگھ سپاہ سالار اورنگ زیب سے کہا: ادنیٰ گناہگار غلاموں کی طرح حاضر ہوا ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے: ماریئے یا چھوڑ دیجئے۔ شیواجی نے درخواست کی کہ تمام بڑے بڑے قلعے پیش ہیں۔ میرا بیٹا سمبھاجی ملازمانِ شاہی میں داخل کیا جائے، میں مطلق العنان کسی قلعہ میں بسر کروں گا لیکن جب کبھی ضرورت ہوگی، فوراً حاضر ہوجاؤں گا۔''

(علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۱/ ۳۱۴)

خلاصہ کلام یہ ہے شیواجی اور اس کے باپ بیٹوں نے جہاں جس مسلمان کو کمزور دیکھا ان پر اپنا زور جمانے کی کوشش کی، جب کبھی کسی مسلم حکمران کو غالب دیکھا تو چاپلوسی کی، جب کبھی اپنا مفاد دیکھا تو دغا کیا اور ملک گیری اور جاہ و مکاں گیری میں نہ اپنا دیکھا نہ پرایا۔ ان کی مفاد پرستی ہمیشہ سب سے آگے رہی۔

اب آپ اپنے زمانے کے نام نہاد ہندو نواز موقع شناس مفاد پرست صاحبِ

اقتدار اور اس کی پشت پناہ آر ایس ایس کو دیکھ لیجیے، وہ ہندوؤں کا نام لے کر بھاری بھرکم ظالمانہ ٹیکس کے ذریعے، آسمان کو چھوتی مہنگائی کے ذریعہ لوٹنے میں لگی ہوئی ہے، اپنے غریبوں کا پیٹ کاٹ کر اپنے مالداروں کا پیٹ بڑا کرنے میں لگی ہے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو ہندو رکشک کہلانا پسند کرتے ہیں۔

جہاں مسلمانوں کو کمزور دیکھتے ہیں خوب دباتے ہیں، آواز تک بلند نہیں ہونے دیتے اور جن ممالک کے مسلم حکمران کو طاقتور جانتے ہیں اپنا مفاد اُن سے وابستہ دیکھتے ہیں تو ان کی چاکری میں اور دست بوسی میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے، آئے دن آپ نے عرب ممالک کے حکمرانوں کی قدم بوسی کی ویڈیو دیکھی ہوں گی۔

ان میں پہلے بھی بزدلی تھی اور یہ اب بھی بزدل ہیں، یہ کہنے کی جرات نہیں کرتے کہ کسی بھی مسلمان کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے، جو یہاں رہے گا اس سے ہمارا اعلانِ جنگ ہے، وہ نہ پہلے میدان میں آئے اور نہ اب آئیں گے۔ اور جب آئے ہیں منہ کی کھائے ہیں۔ وہ پانی پت کی تیسری جنگ ہو یا انگریزوں سے ان کا مقابلہ ہو۔

مرہٹوں کے حالات شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے قلم سے

مرہٹوں کے حالات بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ احمد شاہ ابدالی کو

لکھتے ہیں:

''غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے،... ان کا ایک سردار ہے۔ اس قوم نے اَطرافِ دکن میں کچھ عرصہ سے سر اُٹھایا ہے اور تمام ملکِ ہندوستان پر اثرانداز ہے۔ شاہانِ مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدمِ دور اندیشی، غفلت اور اختلافِ فکر کی بنا پر ملکِ گجرات مرہٹوں کو دے دیا، پھر نا سمجھی اور غفلت کی وجہ سے ملکِ مالوہ بھی ان کے سپرد کر دیا اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا۔ رفتہ رفتہ قومِ مرہٹہ قوی تر ہوتی گئی اور اکثر بلادِ اسلام ان کے قبضہ میں آ گئے۔ مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے باج لینا شروع کر دیا اور اس کا نام چوتھ (یعنی آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔

دہلی اور نواحِ دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے رؤسا، بادشاہانِ قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور امراء، امرائے قدیم کی اولاد ہیں۔ ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے ایک گونہ مروت کا معاملہ کرتے ہوئے عہد و پیمان کر لیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کر کے طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن و امان دے کر چھوڑ دیا۔

دکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں، کبھی مرہٹوں کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی، کبھی انگریزوں

کو اپنا رفیق بنالیا، اور برہان پور، اورنگ آباد، بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر نظام الملک کی اولاد قابض رہی۔ البتہ اطراف و نواحی کو مرہٹوں کے لیے چھوڑ دیا۔ المختصر سوائے دہلی اور دکن کے خالص طور پر مرہٹوں کا تسلط ہے۔

قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اس شکست سے ضعیف ہو جائے گی۔ چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لیے اس کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو۔ دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔ الغرض قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے۔ حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنہ کو دبائے۔" (سیاسی مکتوبات: مکتوب دوم)

مرہٹوں کی سرکشی روکنے کے لیے شاہ صاحبؒ کا احمد شاہ ابدالی کو دعوت دینا

احمد شاہ ابدالی (وفات ۲۰ رجب ۱۱۸۶ھ / ۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء) نے ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک نوبار ہندوستان پر حملے کیے۔ ۱۷۶۰ء میں اس نے جو حملہ کیا اس کا سبب خود ہندوستان کے لوگوں کی دعوت تھی جو مرہٹوں سے تنگ آچکے تھے۔

(سیر المتاخرین: ۳/ ۹۱۲)

شاہ ولی اللہؒ نے بھی حملہ کی دعوت دی تھی۔ شاہ صاحبؒ نے حملہ کی دعوت دیتے ہوئے ابدالی کو جو خط لکھا ہے وہ ان کے اعلیٰ سیاسی تدبر کی ناقابل انکار شہادت ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اگرچہ اپنے خطوط میں احمد شاہ ابدالی کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو لوٹا نہ جائے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی فوجوں نے دہلی کو بلاامتیاز ہندو مسلم خوب لوٹا۔ شاہ صاحبؒ اس کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں اس طرح کرتے ہیں کہ:

"الحمد للہ کہ اس حادثہ عامہ میں عافیت نصیب ہوئی۔ اس محلہ کو معلوم نہیں ہوا کہ مخالف کی فوج آئی تھی یا نہیں۔ نہ تو لوٹ ڈالنے والوں کی لوٹ سے کوئی اذیت پہنچی اور نہ اس تاوان و جرمانہ (تعزیری ٹیکس) سے جو حویلیوں پر ڈالا گیا تھا، کوئی زیر بار ہوا۔ سابق میں عالَم گیر نے جو کچھ کہہ دیا تھا کہ اس فتنہ میں تم کو سلامتی رہے گی، وہ بھی ظہور میں آیا۔ اکثر کی جائیدادوں کی سندیں (دستاویزیں) ضبط ہوگئیں مگر میری سند کہ دستخط کر کے مجھ کو واپس کر دی گئی ہے۔ اس وقت احمد شاہ ابدالی درانی جنگ جاٹ کی طرف متوجہ ہے، جو کچھ وقوع میں آئے گا بعد کو لکھا جائے گا۔ اہل شہر اپنے قتل ہونے سے تو محفوظ رہے لیکن دولت کا مادہ فاسدہ جن لوگوں کے مزاج میں پیدا ہو گیا تھا اس کا تنقیہ پورے طور پر ہو گیا۔ چنانچہ عبرت کی چیز ہے کہ لوگ جاہ و حشمت میں جس قدر زیادہ تھے، قید و ضرب کی سزا بھگتنے میں بھی وہی

آگے آگے رہے، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنا چاہا وہ محفوظ رہا۔"

احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دیتے اور اسے نصیحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو، کہ وہ مسلمانوں کو زیروزبر کر گیا اور مرہٹہ اور جاٹ کو سالم وغانم چھوڑ کر چلتا بنا۔ نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت دہلی بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔" (سیاسی مکتوبات)

[امام ولی اللہ دہلوی اور ان کے دور کے سیاسی حالات: از: ڈاکٹر محمد مظہر بقا- سہ ماہی الشریعۃ؛ جلد:۷، شمارہ:۲، اپریل ۱۹۹۷ء]

شیواجی کی تاجپوشی پر برہمنوں کی ناراضگی

شیواجی مہاراج کی تاج پوشی (coronation) کا واقعہ ۶/ جون ۱۶۷۴ء (۲۲ مئی ۱۶۷۴ء، ہندو کیلنڈر کے مطابق جیٹھ شُدھ تیر تھیہ) کو ہوا تھا، اور اس تاریخی تاج پوشی کی رسومات گگا بھٹ (गागा भट्ट) نامی مشہور بنارس (کاشی) کے برہمن پنڈت نے انجام دی تھیں۔

گگا بھٹ کاشی (بنارس) کا ایک مشہور سنسکرت عالم اور وید شاستر کا ماہر برہمن تھا۔ وہ برہمنوں کے اعلیٰ طبقے سراسوت برہمن سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی علمی

شہرت پورے ہندوستان میں تھی، اور اسی لیے شیواجی نے اپنی تاج پوشی کے لیے اسے خاص طور پر بنارس سے بلایا تھا تاکہ مذہبی اور سماجی اعتبار سے اپنا راجہ ہونا (کشتریہ درجہ) سند یافتہ کروا سکے۔

شیواجی کی تاجپوشی پر بنارس کے پنڈتوں کی ناراضگی کی وجوہات:

مگر بنارس کے بہت سے پنڈتوں نے گگا بھٹ کے اس عمل کی سخت مخالفت کی، وجوہات درج ذیل تھیں:

۱ شیواجی کے نسب پر اعتراض:

شیواجی بھوسلے خاندان کے تھے جو اصل میں مراٹھا طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنارس کے سخت گیر برہمنوں کا کہنا تھا کہ شیواجی خالص کشتریہ نہیں ہیں بلکہ شودر (نچلی ذات) یا ملا جلا نسب رکھتے ہیں، اس لیے ان کی "کشتریہ راجتیلک" تاج پوشی شرعی (ہندو دھرم شاستر کے لحاظ سے) درست نہیں۔

۲ ذات پات کے اصول:

گگا بھٹ نے ویدک رسومات کے ذریعے شیواجی کو کشتریہ تسلیم کر کے "چت پون راجا" (خالص راجہ) قرار دیا؛ لیکن کاشی کے دوسرے برہمنوں نے اسے دھرم کی خلاف ورزی قرار دیا۔

۳ سیاسی اثر:

کچھ برہمن طبقوں کو خدشہ تھا کہ اگر ایک مراٹھا (غیر شمالی ہندوستانی) کو راجا کا درجہ مل گیا تو مستقبل میں ''کشتریہ ہونے'' کا معیار کمزور پڑ جائے گا۔

شیواجی کی تاجپوشی کی پاداش میں گگا بھٹ کا معافی مانگنا:

جب گگا بھٹ تاج پوشی کے بعد واپس کاشی (بنارس) پہنچا تو وہاں کے دوسرے برہمنوں نے اس کا سماجی بائیکاٹ (social boycott) کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے ایک شودر کو کشتریہ بنا دیا، یہ ''شاستروں'' کے خلاف ہے۔

اس مخالفت کے دباؤ میں آکر گگا بھٹ کو ''پشچاتاپ'' یعنی توبہ و کفارہ ادا کرنا پڑا، اس نے عوامی طور پر معافی مانگی اور یہ کہا کہ اس نے شیواجی کو کشتریہ ماننے میں سیاسی مصلحت یا غلط فہمی کی بنا پر فیصلہ کیا۔

بعض تاریخی ماخذ؛ مثلاً: ''چت پتی شیواجی'' از: جادوناتھ سرکار اور ''شیواجی دی گریٹ'' از: کے، این، سٹاپ میں ذکر ہے کہ گگا بھٹ نے بعد میں یہ کہا کہ ''شیواجی کا نسب راجپوت خاندان سیسودیا (اودے پور) سے جوڑا گیا تھا''، مگر دوسرے برہمنوں نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ تاہم، سیاسی لحاظ سے تاج پوشی کامیاب رہی اور اس نے شیواجی کی حکومت کو مذہبی و سماجی جواز فراہم کیا۔

ذیل میں شیواجی مہاراج کی تاج پوشی اور گگا بھٹ کی مخالفت و معافی سے

متعلق اہم تاریخی ماخذات (References) پیش کیے جارہے ہیں۔ یہ ماخذات مراٹھی، ہندی، انگریزی اور فارسی تاریخی روایات پر مشتمل ہیں تاکہ تصویر مکمل واضح ہوجائے۔

ا جادوناتھ سرکار (JadunathSarkar) لکھتے ہیں:

"Gaga Bhatt of Benares was invited to perform the coronation of Shivaji and to declare him a Kshatriya by birth. Many Brahmins of Benares protested that the Bhonsle family was of Shudra origin. After his return to Benares, Gaga Bhatt had to apologize publicly and perform penance for violating the Dharma Shastras".

[Shivaji and His Times: Third Edition, Longmans, Green & Co., 1920, pp. 214–220]

(ترجمہ): گگا بھٹ کو بنارس سے بلایا گیا تاکہ وہ شیواجی کی تاج پوشی کریں اور انہیں کشتریہ قرار دیں۔ بنارس کے بہت سے برہمنوں نے احتجاج کیا کہ بھوسلے خاندان شودر نسل سے ہے۔ گگا بھٹ کو واپسی پر عوامی معافی مانگنی پڑی اور کفارہ ادا کیا۔

۲ جی، ایس، سردیسائی (G. S. Sardesai) لکھتے ہیں:

"Gaga Bhatt, a Brahmin of Kashi, was persuaded with great effort and heavy gifts to officiate. His act was denounced by his fellow Brahmins later, compelling him to perform purificationrites".

[TheNewHistoryoftheMarathas,Vol.1(1946),p.272–257]

(ترجمہ) گگا بھٹ کو بڑی محنت اور قیمتی تحائف کے ذریعے راضی کیا گیا کہ وہ رسومات ادا کریں۔ بعد میں کاشی کے دیگر برہمنوں نے اس کے اس عمل کو دھرم کے خلاف قرار دیا، جس کی بنا پر اسے پاکی کے کفارے ادا کرنے پڑے۔

۳ جی، بی، مہاراشٹر گورنمنٹ گزٹئر

"The coronation was performed by Gaga Bhatt of Benares who proclaimed Shivaji a Kshatriya. The orthodox Brahmins of Benares repudiated this declaration as false, and Gaga Bhatt was made toatoneforhisconduct".

[BombayGazetteer,Vol.24–PoonaDistrict–1885,p.334]

(ترجمہ): تاج پوشی بنارس کے گگا بھٹ نے کی، جس نے شیواجی کو کشتریہ قرار دیا۔ بنارس کے قدامت پسند برہمنوں نے اس اعلان کو جھوٹا کہا اور گگا بھٹ کو اپنے عمل کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔

۴ ''ک،ن،سٹاپ'' لکھتے ہیں:

"Gaga Bhatt's recognition of Shivaji as a Kshatriya was politically significant but religiously controversial. The Benares Brahmins held him guilty of breaking the caste law, forcing him to repent and perform a prayaschitta".

[Chhatrapati Shivaji: The Great Maratha -K. N. Sane / K.N. Stop-Pune University Press, 1969, p. 183–185]

(ترجمہ):

گگا بھٹ کی طرف سے شیواجی کو کشتریہ تسلیم کرنا سیاسی لحاظ سے اہم لیکن مذہبی لحاظ سے متنازعہ تھا۔ بنارس کے برہمنوں نے اسے ذات کے قانون توڑنے کا مجرم ٹھہرایا، اور اسے توبہ و پشچاتاپ کرنا پڑا۔

۵ کاوِندر پرمانند کی ''شیوبھارت'' نامی رزمیہ نظم میں گگا بھٹ کو ''کاشی

نریندر" کہا گیا ہے، جو وید شاستر کا عالم تھا اور جس نے شیواجی کو "کشتریہ چت پون راجا" (خالص راجا) قرار دیا۔

تاہم بعد کے مراٹھی تاریخ مثلاً سبھاسد بھاکر Sabhasad Bakhar (1718CE) اور چتنیس بھاکر Chitnis Bakhar (1810CE) میں ذکر ہے کہ "گاگا بھٹ کو کاشی کے برہمنوں کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑا۔"

٦ پیشوا دور کے فارسی ماخذ

"Pandit of Banaras, called Gaga Bhatt, declared Shivaji to be of Rajput blood, but later, his own caste people excommunicated him for this falsehood".

[Tarikh-i-Shivaji , Persian Manuscript, 18th century, Poona Archives]

(ترجمہ):

بنارس کے پنڈت گاگا بھٹ نے شیواجی کو راجپوت خون سے قرار دیا، مگر بعد میں اس کے اپنے طبقے نے اسے اس جھوٹ کے سبب ذات سے خارج کر دیا۔

افسانۂ بزمِ سخن

شاہ جہاں کو معزول کرنا اور حقیقی بھائیوں سے جنگ وقتال:

ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ عالَم گیر کے جانشین ناخلف ہوئے۔ جنہوں نے اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے عالم گیر کو بدنام کرنا ضروری سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالَم گیر کی صحیح تاریخ اگر کوئی مرتب بھی ہوئی تو وہ شہرت نہیں حاصل کر سکی اور آج عالَم گیر کے سوانح حیات کے روزنامچوں کے پراگندہ اوراق اور منتشر رقعات کی شیرازہ بندی ضروری ہو رہی ہے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی)

عالم گیرؒ سلطنتِ مغلیہ کے ایک ایسے بادشاہ ہیں جن کے زمانے میں ہندوستان اپنی ترقی کے کمالِ عروج پر تھا۔ سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع کبھی نہ ہوسکا تھا۔ نہ ہی جنوبی ہند، سلطنتِ دہلی کے زیرِ نگیں اس طرح دیکھا گیا تھا۔ پورے ملک کا ایک مجموعی قومی پیداوار (جی ڈی پی) کا تناسب ایک چوتھائی تھا۔ ملک سونے کی چڑیا اور امن و سکون کی آرام گاہ کہلاتا تھا۔ اس کے زمانے میں ظالمانہ ٹیکس معاف کردیے گئے۔ تجارتی راہیں وسیع ہوگئیں۔ عوام کو اپنی جان خطرے میں ڈال کر لٹیروں سے محفوظ کردیا۔ عدالتی انصاف تیز آسان اور سستا کردیا۔ شاہی اخراجات کا بوجھ اپنی سادگی اور انصاف پسندی کی وجہ سے عوام سے

اتار دیا۔ اور نہ ہی حالاتِ جنگ میں عوام پر طرح طرح کے ٹیکس کا اضافہ کیا۔ اسلام کا بول بالا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانیت اور غیر مسلموں سے رواداری اور سہولتوں کی فراہمی کو بھی ترقی دی تھی۔

ان سب کے باوجود اعتراضات کا طومار اسی خوش نصیب پر ہے۔ شدت پسند برادرانِ وطن تو جزیہ اور اسلام پسندی بلکہ اسلام تقدمی کی وجہ سے اس کے عمدہ اوصاف اور کارہائے خیر کو تسلیم کرنے کے باوجود بر بنائے عصبیت شاکی اور معترض ہیں۔

شیعہ بھی ان سے کم خفا نہیں ہیں۔ چوں کہ عالم گیر خوش قسمتی سے سنّی تھا اور اس نے دکن (جنوبی ہند) کے ریاستوں کا دَم خَم ختم کر دیا تھا جو اکثر شیعہ تھے اور یہاں سنّیت کی ایسی شمع روشن کر گیا کہ آج تک ان علاقوں میں شیعیت مغلوب ہے۔

بدقسمتی سے عالم گیر کے دور کے تمام مصنفین شیعہ تھے جنھوں نے عالم گیر کے زمانے میں تاریخ لکھی۔ یا انگریزوں نے اس کو تاریخ کے آئینہ میں دکھانا چاہا اور دونوں نے تاریخ کو عصبیت کے کالک سے داغ دار کر دیا۔ تاریخ کے ساتھ انصاف نہ کر کے بعد میں نے والوں کے دلوں میں خلش اور خلجان کے بیج بو دیے۔ ہمارے برادرانِ وطن تحقیق و ریسرچ کے نام سے جو مقالے اور ویڈیوز

جاری کرتے ہیں، وہ بھی انھی گھن لگی تاریخ کا نچوڑ ہوتی ہیں۔

تاریخی حقیقت کو عصبیت کی عینک اتار کر صرف رقعات یا فارسی کی نایاب تاریخوں کے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ شاہ جہاں کو معزول کرنے والا عالم گیر نہیں تھا بلکہ خود دارا تھا۔

دارا شکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا اور سب سے چہیتا بیٹا تھا، ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ میں شاہ جہاں حبسِ بول کے عارضے میں گرفتار ہو کر کاروبارِ سلطنت سے معذور ہو گیا۔ دارا شکوہ نے موقع پا کر عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے تینوں بیٹوں: مرزا شجاع، مراد، عالم گیر کے جو سفراء دربار میں رہتے تھے ان کو بلوا کر مچلکا (تحریری عہد) لیا کہ دربار کی کوئی خبر باہر پہنچنے نہ پائے۔ اس کے ساتھ بنگال گجرات اور دکن کے راستے بند کرا دئے کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ مراد، شجاع اور عالم گیر کو جو ان صوبوں میں حکومت پر ہے خبر نہ ہونے پائے۔ (اورنگ زیب عالَم گیر پر ایک نظر)

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں:

ہر سہ برادران کے وکلاء کو بند کر دینا، خبروں کو بند کر دینا، معزول کر دینے کے مرادف ہے۔ علاوہ ازیں شاہجہاں کے لئے آگرہ کی آب و ہوا مناسب نہ تھی۔ اطباء نے شاہجہاں آباد (دہلی) جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن دارا کی مصلحت کے خلاف تھا۔

لہٰذا اطباء کے اس مشورے اور شاہجہاں کی خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔

اپنی مرضی اور رائے کے مطابق فرامین مرتب کر کے عالَم گیر کو نازک ترین موقعہ پر بے دست و پا کر دینا، اور پھر بہنوں بھائیوں کی جاگیروں کو تبدیل کرنے کے فرامین مرتب کرنا، اس کے دعوائے استقلال کا بیّن ثبوت اور تینوں بھائیوں کو مقابلہ پر مجبور کر دینے والے امور ہیں۔

عالَم گیر اس زمانہ میں شاہ جہاں کے حکم سے گلبرگہ کے محاصرہ میں مصروف تھا اور قریب تھا کہ وہ فتح پائے۔ دفعتًا ان تمام افسروں کے نام جو عالَم گیر کی فوج میں شامل تھے داراشکوہ نے شاہ جہاں کی طرف سے حکم بھجوا دیا کہ فوراً عالَم گیر کا ساتھ چھوڑ کر دربار میں چلے آئیں، مجبوراً عالَم گیر نے والیِ بیجاپور سے ایک کروڑ روپے نذرانے پر صلح کر لی اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔

دارا نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ جسونت سنگھ والیِ جودھ پور کو فوج اور توپ خانہ دے کر گجرات کی طرف روانہ کیا کہ عالم گیر اپنی جگہ سے آکر حرکت کرے تو اس سے معرکہ آراء ہو۔ اس وقت شاہ جہاں نے دارا کی سختی سے مخالفت کی اور چاہا کہ دونوں فوجوں کے درمیان اپنا خیمہ نصب کر دے اور دونوں بھائیوں میں تصفیہ کرا کر قصہ کو ختم کر دے۔ لیکن وہ ایسا کر نہ سکا، اس کا سبب وہ معزولی تھی جس کا تمام بھائیوں کو یقین ہو چکا تھا۔ بہر حال جنگ عالم گیر کے حصہ میں آئی۔ شہزادہ مراد اس

جنگ میں اورنگ زیب کے ساتھ تھا اس نے ایک خط میں اس کی روئداد بیان کر کے آخر میں لکھتا ہے:

"مختصر یہ کہ پانچ چھ ہزار آدمی طرفین کے قتل ہوئے اور بہت زیادہ خزانہ، ہاتھی، گھوڑے، خیمہ، و توپ خانہ وغیرہ ہمارے ہاتھ آیا۔ عنایت الٰہی سے ایسی فتح نصیب ہوئی کہ گزشتہ سو سال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔"

راجہ جسونت سنگھ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر شرم کی وجہ سے دارا سے بھی نہیں ملا۔ اور سیدھا اپنی راجدھانی میں چلا گیا، جہاں سے اُس نے عالَم گیر کے پاس معذرت کا خط لکھا اور عالَم گیر نے بدستورِ سابق اس کو منصب اور خطاب سے فائز کر دیا۔ مگر اس فرار کا بغض جسونت سنگھ کے سینہ میں آخر تک رہا۔ اس کی بیوی بھی اس سے یہ کہتے ہوئے دور ہوگئی کہ جو جنگ میں پشت دکھائے وہ میری ہم بستری کے لائق نہیں ہے۔

عالَم گیر نے اسی دوران شاہجہاں کی خدمت میں ایک طویل عرضداشت بھیجی۔ جس میں حسبِ دستورِ سابق فرزندانہ، مریدانہ اور نیاز مندانہ آدابِ پدرِ بزرگوار، مرشدِ حقیقی اور بادشاہِ وقت کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد عرض کیا:

"اس دوران میں سلطنت و مملکت کے جملہ ملکی اور مالی امور کی زمامِ اختیار حضرت والا کے قبضۂ قدرت سے خارج ہو کر شاہزادہ کلاں (دارا) کے قبضہ میں پہنچ

گئی۔ جس نے اُمور سلطنت کے بست وکشاد میں وہ اقتدار حاصل کر لیا جو احاطۂ تحریر وتقریر سے خارج ہے۔

یہ قدرت و تسلط پاتے ہی اُس نے اپنے بھائیوں کے استیصال کو اپنا اوّلین مقصود گردانا۔ جس میں اس کی جد و جہد روز بروز بڑھتی رہی۔ چنانچہ حضرت والا کے فرزندِ رشید ''شجاع'' کے سر پر اپنے نو عمر لڑکے ''سلیمان شکوہ'' کو مسلط کیا۔ شاہ شجاع کی ۳۲ سالہ خدمات کی کوئی وقعت نہیں کی اور اس کو حد سے زیادہ ذلیل و رسوا کیا۔ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر اس نیاز مند کی توہین و تذلیل کی ہمیشہ جد و جہد کرتا رہا۔ منافع اور آمدنیوں کے راستے اس نیاز مند کے لئے بند کرتا رہا، اور طرح طرح کے نقصانات پہنچاتا رہا، اور ہمیشہ وہ کام کرتا رہا جو دین و ملّت کے مخالف اور بندگانِ خدا اور انسانی آبادیوں کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث تھے۔''

اس کے بعد مہم بیجاپور میں اپنی اور اپنی فوج کی جانفشانیوں، دشمن کی لاچاری اور اپنی مکمل فتح کے عنقریب نمودار ہونے کی صورت میں شاہی فرامین بھجوا کر دشمنوں کو دلیر کر دینے، عالَم گیر کے لئے ایسی مشکلات (کہ جن سے نکل جانا صرف حسن تدبیر اور فضلِ الٰہی کی وجہ سے تھا) پیدا کر دینے کا ذکر نہایت قوت کے ساتھ کیا ہے۔ اور پھر لکھتا ہے کہ:

"داراکی اس ناعاقبت اندیشانہ حرکت کے بعد اگر فضلِ الٰہی شاملِ حال نہ ہوتا تو انہیں فرماں روانِ دکن کے ہاتھوں آج تمام سلطنت تاراج ہوگئی ہوتی۔ یہ سب حرکت اُس نے صرف اپنی ذاتی غرض کے لئے کی۔ جس میں وہ اس قدر اندھا ہوگیا کہ خود سلطنت کی تباہی اور بربادی کا خیال بھی نہ کرسکا۔

پھر اپنی اسی مخالفت اور خصومت پر جس کی شہرت ایران اور توران تک ہوچکی ہے، قناعت نہیں کی، بلکہ مجھ جیسے وفادار سے (جس نے ساری عمر حضور والا کی اطاعت میں صرف کی اور کبھی بھی کسی معمولی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی اور عدولِ حکمی کو ہمیشہ گناہ عظیم تصور کرتا رہا) صوبہ برار علیحدہ کرکے ایسے شخص کے حوالہ کرنا چاہا جو ہمیشہ حکومت کا مخالف رہا اور جس کی غداری طشت از بام ہے۔

پھر خوشامدیں کرکے راجہ جسونت سنگھ کو سرکوبی کے لئے ایک لشکرِ جرّار کے ساتھ روانہ کردیا۔ مقصود یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، وہ مختصر سا علاقہ، جو حضور والا نے اس نیاز مند کو مرحمت فرما رکھا ہے اس نیاز مند سے چھین کر نیاز مند کو آوارۂ فنائے بے کسی و غربت اور سراسیمۂ صحرائے مِحَن و کَرب کردے۔

علاوہ ازیں خوشامدوں اور غلط چاپلوسی سے حضورِ والا کے مزاجِ اقدس پر اتنا اثر جمالیا ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے، حضور والا بلا تحقیق و تفتیش اس کی بات کو صحیح سمجھتے ہیں، اور اس کی رائے پر عمل فرماتے ہیں اور جملہ اختیاراتِ ملکی اُن کے حوالہ کر دیتے ہیں۔

اس صورتِ حال کے بعد ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ خود حاضر خدمت ہو کر اصل واقعات کو عرض کریں اور بارگاہ سلطانی میں اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے عدل و انصاف کے طالب ہوں۔

عدلِ سلطان گرنہ پُرسد حالِ مظلومانِ عشق
گوشہ گیراں راز آسائش طمع می باید برید

جب یہ خیر خواہ مسافت طے کر کے "اجین" کے قریب پہنچا تو جسونت سنگھ جو شاہزادہ کلاں (دارا) کے اشارہ سے اس خیر خواہ کی ایذا رسانی کے لئے وہاں مامور تھا، سنگِ راہ بن گیا، اور بلالحاظِ آداب و حقوق نہایت دلیری کے ساتھ حکم کیا کہ:

"مراجعت نمودہ بمکانِ خود بردوالا خواہد دید آن چہ خواہد دید۔"

ترجمہ: اگر اپنی جگہ پر لوٹے نہیں آپ حضرت والا تو دیکھ لو گے جو کچھ دیکھو گے۔

نیاز مند کے سنجیدہ پیغامبروں نے اُس کو متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بہت کچھ سمجھایا کہ صرف حضرت اعلیٰ واقدس کی زیارت کے لئے جانا مقصود ہے مگر اس مغرور کے ذہن میں ایک بات بھی نہ آئی اور وہ اپنے لشکر و قوت کے گھمنڈ میں آمادہ جنگ ہو گیا۔ ایسی صورت میں ہر ایک ذی ہوش کا کام تھا، کہ اس سنگِ راہ کو راستہ سے ہٹا کر اس کو غرور اور تکبر کا مزا چکھائے۔

اگر خدمتِ اقدس میں حاضری کے علاوہ کوئی اور مقصود ہوتا، تو ظاہر ہے کہ جب جسونت سنگھ اور اس کا لشکر شکست فاش کھا کر بد حواس بھاگ رہا تھا تو تعاقب کر کے ان کو قتل کر دیا جاتا ورنہ کم از کم قید کر لیا جاتا، مگر یہاں صرف راستہ حاصل کرنا مقصود تھا۔

اب شاہ زادہ دارا شکوہ بذات خود دھولپور تشریف لاتے ہیں، آپ نے دریائے چنبل کے تمام گھاٹوں پر توپ خانہ اور فوجی دستے مقرر کر کے میرے لیے دریا کا عبور کرنا ناممکن بنا دیا تھا۔ مگر اس ناممکن کو نیاز مند ممکن بنا چکا ہے اور دریائے چنبل سے پار ہو کر حضور والا کی قدم بوسی کا ارادہ کئے ہوئے ہے۔ سنا جا رہا ہے کہ اب بذات خود میدانِ معرکہ گرم کریں گے۔ یہ ان کی بزرگانہ شان کے بھی خلاف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مجھ جیسے کار آزمودہ جنگ جُو کے مقابلہ پر اُن کا بازی لے جانا قطعًا ناممکن ہے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ اپنی بزرگی کا وہ خود احترام کریں۔ اس ارادہ کو ترک کر دیں اور اپنے علاقہ پنجاب تشریف لے جائیں اور کچھ دنوں اس نیاز مند کو حضرت اعلیٰ واقدس کی خدمت میں باریابی کا موقعہ دیں۔"

ایک دوسرے مکتوب میں جو تخت و سلطنت حاصل کرنے کے لئے شاہجہاں کو لکھا تھا تحریر کرتا ہے:

قبل ازیں مکرر معروض خدمت والا گردید کہ مقصود این مرید، از نہضت

بصوب اکبر آباد ارادہ بغی و خراج با بادشاہ اسلام نبود و عالِم السر والمَخفیات گواہ است کہ این قصد ناصواب غیر مشروع اصلاً و قطعا پیدا در ضمیر من نگشتہ بلکہ چون در آوان بیماری اختیار از دست اعلیٰ حضرت رفتہ بود و بادشاہ زادہ کلاں کہ رنگے از مسلمانی نداشت قوت و استقلال تمام پیدا کردہ امارت جہانبانی ظاہر می ساخت و رایت کفر و الحاد در ممالک محروسہ می افزاشت، دفع اور اکہ عقلاً و شرعاً و عرفاً واجب شدہ بود بر ذمت ہمت متحتم ساختہ عزیمت این حدود نمود و جنگ اول با کفار اشرار کہ مساجد را منہدم و خراب ساختہ بت خانہاء آں بنا نہادہ بودند روئے دادہ محاربہ دیگر با ملاحدہ نکوہیدہ کردار واقع شد و چوں نیت بخیر بود با جمعیت قلیل در ہر معرکہ مظفر و منصور آمدہ از جسم زخم مصؤن ماند۔

ترجمہ: ''اس سے پہلے بھی بارہا خدمتِ والا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مرید کا اکبر آباد کی طرف پیش قدمی کرنے میں نہ کوئی سَرکشی اور بغاوت کا ارادہ تھا اور نہ بادشاہِ اسلام پر خروج کرنے کا قصد۔ اور پوشیدہ و ظاہر کا جاننے والا خدا گواہ ہے کہ یہ ناسمجھی پر مبنی اور نامشروع ارادہ ہرگز اور قطعی طور پر میرے دل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔

بلکہ معاملہ یہ ہوا کہ جب بیماری کے زمانے میں اختیارِ امور آپ (والدِ محترم) کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، اور بڑا شہزادہ جس میں مسلمانی کا کوئی رنگ باقی نہ تھا پوری

قوت اور اقتدار پاکر ظاہراً سلطنت و حکومت کا مالک بن بیٹھا تھا، اور اس نے ممالکِ محروسہ میں کفر و الحاد کا جھنڈا بلند کرنا شروع کر دیا تھا، تو اس کا دفع کرنا عقلاً، شرعاً اور عرفاً واجب ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی ذمہ داری نے میری ہمت کو آمادہ کیا اور میں نے ان حدود کی طرف قصدِ روانگی کیا۔

پس پہلی لڑائی اُن کافر و بدکار لوگوں سے پیش آئی جنھوں نے مسجدوں کو ڈھا کر برباد کر دیا تھا اور اُن کی جگہ بت کدے تعمیر کر دیے تھے۔ پھر دوسری جنگ ان بدکردار ملحدوں سے پیش آئی۔ اور چونکہ نیت نیک تھی، اس لیے قلیل لشکر کے باوجود ہر معرکے میں فتح و نصرت حاصل ہوئی اور جسم بھی زخم سے محفوظ رہا۔"

یہ تھے جنگِ برادران کے وجوہات، یہ تھا عالَم گیر اور یہ تھا مدعیِ فنا و بقا دارا شکوہ کا تصوف اور اس کا زہد و تقوی اور عشق مولے، جو "میاں میر" کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا (معاذاللہ) اور اسلامِ مجازی کو چھوڑ کر کفر اختیار کر چکا تھا، اور نماز روزہ کو ظاہر پرستوں کے حوالہ کر کے اسلام و کفر کی قیود سے آزاد ہو چکا تھا۔ اور جس کے نزدیک جوگیوں اور دانش مندانِ ہند کی بات بھی ایسی ہی صحیح تھی،، جیسے محمد رسول اللہ کے ارشادات (معاذاللہ)۔ خود اس کے بھائی اس کو ملحد سمجھتے تھے۔

بہر حال دارا شکوہ نے ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ کو پورے اہتمام کے ساتھ عالَم گیر کے مقابلہ کے لیے لشکر آراستہ کیے۔ مگر شام ہونے سے پہلے بدحواس ہو کر

میدان سے بھاگنا پڑا۔ غروبِ آفتاب کے بعد آگرہ پہنچا۔ شاہجہاں کے پاس جاتے ہوئے اس کو شرم آئی۔ کیونکہ وہ اس کو پہلے ہی عالَم گیر کے مقابلہ سے منع کر چکا تھا۔ لہٰذا بیوی بچوں اور مقبوضہ جواہرات کے صندوق کو لے کر آخر شب میں دہلی روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد پنجاب، گجرات وغیرہ میں قیام کر کے ایک سال تک عالَم گیر کو شکست دینے کی سعی لاحاصل کرتا رہا۔ بالآخر شوال ۱۰۶۹ھ میں گرفتار ہوا۔ وسط ذی الحجہ میں دہلی لایا گیا۔ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ کے آخری دن اس کو تختہ دار کا آویزہ بنا دیا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب دارا شکوہ مقیّد کر کے دہلی لایا گیا، تو اس نے عالَم گیر کو لکھا:

''بھائی صاحبِ من بادشاہِ من! خیال بادشا ہے اصلاً در دل نماندہ، بشما و فرزندان شما مبارک و فکر کشتنِ من بخاطر مبارک ناحق ست۔ اگر یک حویلی قابل سکونت و کنیز کہ از کنیزان مخصوص ما برائے خدمت عطا شود بگوشۂ عافیت و در دعاء آں صاحب اشتغال نمائیم۔''

ترجمہ: ''میرے بھائی صاحب میرے بادشاہ! بادشاہی کا خیال اصلًا میرے دل میں باقی نہ رہا؛ یہ تمہیں اور تمہارے بچوں کے لیے مبارک ہو، اور میرے قتل کروانے کا خیال آپ کے مبارک دل میں ناحق ہے۔ اگر ایک رہنے کے لائق حویلی

اور ایک ایسی کنیز جو ہماری مخصوص کنیزوں میں سے ہو بطورِ خدمت دی جائے تو میں گوشۂ عافیت چلا جاؤں گا اور آپ والا کے لیے دعا میں مصروف رہوں گا۔"

شہنشاہ اورنگ زیب عالَم گیر نے اس کے پشت پر جواب میں یہ آیت لکھ دی:

﴿آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (٩١)﴾ [یونس: ٩١]

یعنی "اب (معافی تلافی!) حالاں کہ تو، تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فساد مچانے والوں میں شامل رہا"۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اعتراض کیا جاتا ہے کہ بالکل ممکن تھا کہ دارا شکوہ کو کسی محفوظ مقام پر نظر بند رکھا جاتا، اور عالَم گیر اس کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرتا۔

جواب یہ ہے کہ تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیانِ سلطنت قید و بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے (جیسا کہ مراد اور شجاع کے حالات سے آئندہ معلوم ہوگا) اس کے ساتھ ان کے طرف داروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھتا جب تک محل آرزو کے تمام رگ و ریشے نہ کٹ جائیں۔

عالَم گیر نے اپنے ایک مکتوب میں جو اوپر نقل کیا گیا، اس ایشیائی دستور کی

طرف اشارہ کیا ہے:

سر وارث ملک تا بر تن ست

تن ملک را فتنہ پیراھن است

ترجمہ: جب تک وارثِ ملک کا سر بدن پر ہے ملک کا بدن فتنے کا پیرہن ہے یعنی جب تک کوئی وارث زندہ ہے، پورا ملک فتنے کے گھیرے میں لپٹا ہوا ہے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی)

جنگِ برادران کے سلسلے میں ایک اہم تجزیہ:

سید محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں:

جنگِ برادران کے سلسلہ میں تینوں بھائیوں کا متفقہ طور پر دارا کو ملحد اور بے دین قرار دینا، اور مسلمان جرنیلوں اور ارکان دولت میں سے کسی کا بھی دارا کی حمایت میں فوجوں کی کمان کو منظور نہ کرنا، البتہ راجہ جسونت سنگھ اور راجہ جے سنگھ کا حمایت پر آمادہ ہونا (اگرچہ وہ بھی عارضی تھی) یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنگ برادران کے پردہ میں در حقیقت جنگ تھی، ایمان والحاد کی صحیح شریعت اور عامیانہ طریقت کی، اور اکبر کی اس بے قیدی اور اس پابندی کی جس کو حضرت مجدد صاحب اور آپ کے خلفاء کی مسلسل کوششوں نے ارکان حکومت میں پیدا کیا تھا۔

چنانچہ مصنف عالَم گیر نامہ لکھتا ہے:

”راجہ جسونت سنگھ باوجین آمدہ بود چوں طبع کج گرائے آں بے بہرہ جوہر دولت دارا بدین و آئین ہنود و احیاء مراسم کفر وجحود مائل می دید ازیں جہت میں عظیم بسلطنت او داشت، بنا بر خوش آمد و رعایت جانب او مصدر بے ادبانہ حرکات ناہموار گشتہ۔ بخیال محال بیداد دراز کار خود را سد راہ موکب جاہ و جلال می شمرد۔“

ترجمہ: راجہ جسونت سنگھ اجین سے آیا تھا چوں کہ یہ بے بہرہ کج طبیعت، دارا کی سلطنت و اقتدار کو اپنے دین، دینِ ہنود کے معتقدات اور رسومِ کفر کے احیاء کی طرف مائل دیکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ دارا کے بادشاہ بننے کی بڑی خواہش رکھتا تھا۔ اسی خوشامد اور اس جھکاؤ کے لحاظ سے وہ بے ادب اور ناہموار حرکات کا مرتکب بھی بن گیا تھا۔ اور اپنے باطل خیال اور دیرینہ ظلم و سرکشی کے گھمنڈ میں وہ اپنے آپ کو شاہی جاہ و جلال کے قافلے کی راہ کی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی)

سعدی لکھتے ہیں:

اگر اورنگ زیب کی زندگی اور اس کی جدوجہد کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب بھائیوں سے لڑا تو محض اس لیے کہ ہندوستان میں اسلام کو زندہ کرے۔ اور عوامی فلاح و بہبود کے اس آئین و دستور کو عملی جامہ پہنائے جو اسلام نے تجویز کیا تھا۔ ہمارے خیال میں اس لحاظ سے اورنگزیب ہندوستان کے

مسلمانوں کا سب سے بڑا محسن ہے، کہ اس نے اسلام کو متعارف کرانے اور اسلامی آئین کو بروئے کار لانے کے لیے اپنی زندگی خطرات میں ڈال دی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اورنگ زیب نے دارا کے خلاف جو لڑائی شروع کی۔ وہ اس لیے شروع کی تھی کہ اورنگ زیب کے نزدیک دارا ملحد تھا اور اگر اس کی حکومت قائم ہو جاتی تو ہندوستان سے اسلام رخصت ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے یہ خدشات غلط نہ تھے۔ دارا اکبر سے کہیں بڑا تھا۔ اور اگر اورنگ زیب اس کے مقابلے میں نہ آتا۔ تو دارا کا پروگرام قطعًا یہ تھا کہ ہندوستان میں مغل حکومت ایک سیکولر اسٹیٹ بن جاتی، اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقائد پر مشتمل ایک ایسا نیا دین مرتب ہوتا جو ان دونوں قوتوں کو ایک بنا دیتا۔

دارا اور شاہجہاں سے اورنگ زیب کی لڑائی ذاتی نہ تھی۔ یہ عقیدہ کی لڑائی تھی۔ اور اورنگ زیب کے عقیدہ کی رُو سے دارا قطعًا اس قابل نہ تھا کہ اس کے باپ کے تخت پر بیٹھتا۔ اور اس نے جان جوکھوں میں ڈال کر ایک کمزور فریق ہوتے ہوئے بھی دکن سے آگرہ پر چڑھائی کی۔ تو محض اس لیے کی تھی کہ دارا کے سر سے تاج چھین لے، اور اسے اپنے سر پر رکھ کر ہندوستان میں ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھے جو خالص اسلامی حکومت ہو۔ وہ بذات خود بھی بڑا عابد زاہد اور مخلص بادشاہ تھا۔

عالَم گیر نے شاہجہاں کو کیوں معزول رکھا

اگر عالَم گیر کا مقصود بغاوت نہ تھا، وہ شاہجہاں کے مقابلہ میں نبرد آزما نہ ہوا تھا، تو اُس نے شاہجہاں کو معزول کیوں رکھا؟ آگرہ پہنچنے کے بعد اس کو تختِ سلطنت پر متمکّن کیوں نہ کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شاہجہاں کو اقتدار سونپنے کا ارادہ ہی تھا؛ اسی لیے آگرہ گیا تھا؛ مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہجہاں خود اس کی جان کا گاہک ہے اور اس کے خون کا پیاسا ہے تو اس نے واپس آکر خود مختاری کا اعلان کیا۔

سید محمد میاں لکھتے ہیں: (عالم گیر اپنے والد کے حضور نیاز مندانہ حاضر ہونا چاہتا تھا، لیکن) عالَم گیر کے شرکاء کار اور فدا کار رفقاء اب بھی قلعہ میں جاکر ملاقات کرنے کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ لیکن عالَم گیر نے تن بتقدیر شاہجہاں کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کر ہی لیا۔ مگر جب وہ باب قلعہ کے پاس پہنچا تو شائستہ خان امیر الامراء اور شیخ میر نے پھر لجاجت کے ساتھ اس ارادہ سے باز رہنے کی درخواست کی۔ عالَم گیر ان سے سوال و جواب میں مشغول تھا کہ دفعتًا "ناہر دل خاں چیلہ" شاہجہاں بادشاہ کے قلم خاص کا لکھا ہوا ایک پرزہ لئے ہوئے پہنچا، جو داراشکوہ کے نام تھا۔ اُس کو دہلی بھیجا جارہا تھا اور ہدایت یہ تھی کہ جواب جلد از جلد لائے۔ مضمونِ خط یہ تھا:

''دارا شکوہ شاہجہاں آباد میں قیام کرے۔ خزانہ اور لشکر کی وہاں کمی نہیں۔ ہرگز ہرگز دہلی سے آگے نہ بڑھے۔ مابدولت یہاں معاملہ ختم کئے دیتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ خواجہ سراؤں، ترکی اور حبشی لونڈیوں اور غلاموں کو جو شاہی ایوانوں کی خدمت کے لئے قلعہ میں موجود تھیں مسلح کر دیا تھا کہ جیسے موقعہ ملے ایک دم عالَم گیر پر حملہ کر کے معاملہ ختم کر دیا جائے۔ عالَم گیر نے جب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا، وہ واپس آگیا۔ مگر یہ اُس کا ظرف تھا کہ اُس نے درجہ ابوت و پدری کا خیال کرتے ہوئے اس کا تذکرہ تک بھی مناسب نہ سمجھا، اور صرف ملاقات کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔

شاہزادہ محمد مراد جو اس وقت اورنگ زیب کے ساتھ تھا، اور اگرچہ اس سے پیشتر بھی اس کو برار کی حرص دے کر عالَم گیر سے توڑنا چاہا تھا۔ مگر چونکہ دارا کے وجود کو وہ بہر حال اپنے لئے خطرناک سمجھتا تھا، لہذا عالَم گیر کی مخالفت اور ترک رفاقت پر آمادہ نہ ہوا تھا۔ اب جبکہ آگرہ سے دارا کو ختم کر دیا گیا تو مراد کا ہموار ہو جانا آسان تھا۔ چنانچہ اس کے نام شاہ جہاں کی طرف سے تحریر کیا گیا کہ مکمل ہندوستان کی بادشاہی تم کو عطا کی گئی ہے۔ تم پر فرض ہے کہ ابھی اس کا تذکرہ نہ کرو۔ چند روز بعد بھائی اور بھتیجوں کو دعوت کے بہانہ سے اپنے یہاں بلا کر ختم کر دو، اور پھر اپنے نام سے تمام ملک میں سکہ اور خطبہ جاری کرو۔

عالَم گیر اس خط کے جواب میں ایک مفصل عریضہ شاہجہاں کی خدمت میں بھیجتا ہے جس کا بعینہٖ ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس خط سے عالَم گیر کے اصلی ارادہ اور بعد کے فیصلہ اور اس کی وجوہات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

عالَم گیر لکھتا ہے:

اعلیٰ حضرت دانش مند ہیں۔ زمانہ کی گرمی اور سردی، پستی اور بلندی کے تجربوں میں عمر گرامی کے بیشتر اوقات صرف ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر میرا عقیدہ تھا کہ جو واقعات پیش آچکے ہیں، ان کو تقدیری امور سمجھ کر اور اس امر پر راضی ہو کر کہ قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا کہ تخت و سلطنت اس جاں نثار کے حوالہ ہو۔ اس مرید کی شکست اور دوسروں کے کام کی رونق اور ترقی میں کوشش نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ جناب والا کے ساتھ نیاز مند نے بڑی حد تک بہتر ہی سلوک کیا اور پوری خواہش تھی کہ مخالفین کی اس شورش ختم ہونے کے بعد حضرت والا کی رضا جوئی اور خدمت گزاری کے لئے جان و دل سے کمر ہمت کس لوں گا اور اس طرح سعادت دارین حاصل کروں گا۔

ہر چند سنتا رہا کہ غبارِ فساد کی برانگیختگی اور بندگانِ خدا کے معاملات کی یہ برہم خوردگی آں حضرت کی تحریک سے ہے اور فرمانِ اقدس کے بموجب ہی بھائی صاحبان ہاتھ پیر مار رہے ہیں، اور اپنی جانیں برباد کر رہے ہیں مگر میں نے کبھی لوگوں کے کہنے پر کان نہیں دھرا، اور شاہراہِ عقیدت سے انحراف کا

خیال بھی نہیں آیا۔

مگر جب کہ آں حضرت کی بے توجہی کی خبریں پے در پے اور لگا تار پہنچیں تو لامحالہ یقین ہو گیا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے، جناب والا اب تک اسی جستجو میں ہیں کہ کوئی دوسرا ہی استقلال کرے اور اس فدوی کی وہ تمام کوشش جو دینِ متین کی ترویج اور معاملاتِ سلطنت کے انتظام میں خرچ ہو رہی ہے، ضائع اور برباد ہو جائے۔ نیز یہ کہ جناب والا کسی صورت سے بھی اس طرزِ عمل اور اس فکر سے علیحدہ نہیں ہو سکتے بلکہ اصرار کے ساتھ اسی پر کاربند رہیں گے۔ ان حالات میں مجبور ہو کر محض حزم و احتیاط کے طور پر (تاکہ کوئی ایسی خرابی نہ پیدا ہو جائے جس کا تدارک ناممکن ہو) افسوس کہ اس آرزو کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا جو میرے دل میں تھی۔ میرے قول کی صداقت پر خدا تو اناشاہد اور گواہ ہے۔

اس ارادت مند کو اطمینانِ خاطر اس وقت حاصل ہو گا جب کہ وہ دو فتنے جو بار بار بے غیرتی کو اپنے سر لے چکے ہیں، فرار ہو کر ممالک محروسہ سے باہر ہو جائیں یا توفیق الٰہی سے گرفتار ہو کر اپنے بھائی کے پہلو میں بیٹھیں۔

سر وارث ملک تا بر تن ست

تن ملک را فتنہ پیراھن است

جب یہ فتنہ فرو ہو جائے گا، پھر اس احتیاط اور اس پابندی کی ضرورت ہی کیا

رہے گی۔

بعد میں شاہ جہاں اپنے اس بیٹے (عالم گیر) سے راضی ہو گیا تھا۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی)

شہزادہ مراد:

مراد اگر چہ دلیر، بہادر تھا؛ لیکن ساتھ ہی سادہ لوح اور آسانی کے ساتھ دام میں آنے والا تھا۔ جب متحدہ طور پر دارا شکوہ پر فتح حاصل ہوئی تو تن تنہا بادشاہ بننے پر لوگوں نے بہکایا، اس نے عالم گیر سے بدظن ہو کر بادشاہی کا دعویٰ کیا، اپنے لوگوں کو مناصب سونپے اور عالم گیر کے قتل کے درپے ہو گیا۔ عالم گیر نے حسنِ تدبیر سے اس کو گوالیار میں ایک محدود سہولتوں اور اپنی محبوبہ سرستی کے ساتھ نظر بند کروادیا۔ وہاں وہ تقریباً چار برس قید رہا، بالآخر علی نقی کے لڑکے نے اپنے والد کے قتل پر قصاص کا مطالبہ کیا، جس کو مراد نے قتل کیا تھا۔ قاضی نے دیت کی ترغیب دی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ آخر کار ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۷۲ کو بحکم شریعت قصاصًا مقتول ہوا۔

اور وہ لڑکا جو طالبِ قصاص تھا خافی خان کے کہنے کے مطابق مغضوبِ نظرِ بادشاہ ہوا۔

شہزادہ شجاع:

شجاع نے بھی حرص و ہوا میں عہد شکنی کرتے ہوئے اس وقت حملہ کیا جب عالَم گیر دارا کا تعاقب کرتے ہوئے ملتان پہنچ گیا تھا، مراد گرفتار ہو چکا تھا۔ آگرہ کا قلعہ ناتجربہ کار محمد سلطان کی نگرانی میں تھا۔ اس سے بہتر موقعہ شجاع کو کب مل سکتا تھا۔

عالم گیرؒ نے بہت کوشش کی کہ شجاع مقابلہ پر نہ آئے، محمد سلطان کو ہدایت کی تھی کہ وہ لڑائی میں پیش قدمی نہ کرے اور خود بھی اس کے مقابل آنے پر سست روی بر تتا رہا۔

بالآخر مقابلہ طے ہوا جنگ سے ایک رات قبل - راجہ جسونت سنگھ جو راجہ جے سنگھ کے ذریعہ معافی طلب کر کے شریک جنگ تھا اور لشکر کی یمین کی کمان اسے دی گئی تھی - شجاع کے لشکر سے جاملا۔

عالم گیر نے ''اگر رفت رفتہ باشد'' کہہ کر اللہ پر بھروسہ کیا۔ جنگ ہوئی اور تقدیر الٰہی نے پاسۂ جنگ عالم گیر کی جھولی میں ڈالا۔ شجاع فرار ہو کر اراکان (برما) فرار ہو گیا۔

برما کے راجا نے خوب آو بھگت کی لیکن وہاں بغاوت کے الزام میں اپنے تمام ارکان کے ساتھ مقتول ہوا۔

عالم گیر کی اصلاحات پر ایک سرسری نظر

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پھر ان کی خوش قسمتی ہے کہ ۱۶۵۷ء سے لے کر ۱۷۰۷ء تک یعنی تقریباً پچاس سال انہوں نے حکومت کی اور ان کے عہد میں ہندوستان کا رقبہ جتنا وسیع ہوا، اتنا وسیع نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد، یعنی موجودہ افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش کی آخری سرحدوں اور لداخ و تبت سے لے کر جنوب میں کیرالہ تک وسیع و عریض سلطنت کا قیام اسی بادشاہ کی دَین ہے۔ ان کی اخلاقی خوبیوں پر تمام مؤرّخین یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی متفق ہیں کہ یہ تخت شاہی پر بیٹھنے والا ایک درویش تھا، جو قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت وصیت کی کہ ان کی اسی آمدنی سے تجہیز و تکفین کی جائے۔ ایسے زاہد، درویش صفت، قناعت پسند اور عیش و عشرت سے دور بادشاہ کی نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخِ عالم میں کم مثالیں مل پائیں گی۔ یہ تو ان کی ذاتی زندگی کے اوصاف ہیں۔ اس کے علاوہ اورنگ زیبؒ نے اپنے عہد میں غیر معمولی اصلاحات بھی کیں: ترقیاتی کام کیے، نامنصفانہ احکام کو ختم کیا، اور سرکاری خزانوں کو عوام پر خرچ کرنے اور رفاہی کاموں کو انجام دینے کی تدبیر کی، اس سلسلہ میں چند نکات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱: اب تک عوام پر بہت سارے ٹیکس لگائے جاتے تھے، اور یہ صرف مغل حکمرانوں کا ہی طریقہ نہیں تھا، بلکہ اس زمانہ میں جو راجے رجواڑے اور ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، وہ بھی اس طرح کے ٹیکس لیا کرتی تھیں۔ شیواجی تو اپنے مقبوضہ علاقہ میں چوتھ یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب عالَم گیرؒ نے مال گزاری کے علاوہ جو ٹیکس لیے جاتے تھے، جن کی تعداد اَسّی ذکر کی گئی ہے، ان سب کو نامنصفانہ اور کسان مخالف قرار دیتے ہوئے ختم کر دیا، حالاں کہ ان کی آمدنی کروڑوں میں ہوتی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر اورنگ زیبؒ کو ہندو مخالف پیش کیا جاتا ہے، لیکن انہوں نے متعدّد ایسے ٹیکسوں کو معاف کر دیا، جن کا تعلق ہندوؤں سے تھا، جیسے گنگا پوجا ٹیکس، گنگا اشنان ٹیکس اور گنگا میں مردوں کو بہانے کا ٹیکس۔

۲: انہوں نے مال گزاری کا قانون مرتب کیا اور اس کے نظم ونسق کو پختہ بنایا، یہاں تک کہ شاہ جہاں کے دور میں ڈھائی کروڑ پونڈ کے قریب سلطنت کی آمدنی تھی، تو وہ عالَم گیرؒ کے دور میں چار کروڑ پونڈ کے قریب پہنچ گئی۔

۳: حکومتوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عہدہ دار کا انتقال ہو جاتا تو اس کی ساری جائیداد ضبط کر لی جاتی اور حکومت کے خزانہ میں داخل ہو جاتی، آج بھی بعض مغربی ملکوں میں ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کے بغیر دنیا سے گزر جائے تو اس کا پورا ترکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے، عالَم گیرؒ نے اس طریقہ کو

ختم کیا، تاکہ عہدہ دار کے وارثوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

۴: انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ مظلوموں کے لیے انصاف کا حصول آسان ہوجائے، وہ روزانہ دو تین بار دربارِ عام کرتے تھے، یہاں حاضری میں کسی کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں تھی، ہر چھوٹا بڑا، غریب و امیر، مسلمان و غیر مسلم، بے تکلف اپنی فریاد پیش کرسکتا تھا اور بلا تاخیر اس کو انصاف فراہم کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے لوگوں، شہزادوں اور مقرب عہدہ داروں کے خلاف فیصلہ کرنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ انہوں نے دور دراز کے لوگوں کے لیے ۱۰۸۲ھ میں ایک فرمان کے ذریعہ ہر ضلع میں سرکاری نمائندے مقرر کیے کہ اگر لوگوں کو بادشاہ اور حکومت کے خلاف کوئی دعویٰ کرنا ہو تو وہ ان کے سامنے پیش کریں اور ان کی تحقیق کے بعد عوام کے حقوق ادا کردیں۔

۵: عالَم گیرؒ کا ایک بڑا کارنامہ حکومت کی باخبری کے لیے واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کا نظام تھا، جس کے ذریعہ ملک کے کونے کونے سے بادشاہ کے پاس اطلاعات آتی رہتی تھیں، اور حکومت تمام حالات سے باخبر رہ کر مناسب قدم اُٹھاتی تھی۔ اس نظام کے ذریعہ ملک کا تحفظ بھی ہوتا تھا، عوام کو بروقت مدد بھی پہنچائی جاتی تھی، اور عہدہ داروں کو ان کی غلطیوں پر سرزنش بھی کی جاتی تھی، اس کا

سب سے بڑا فائدہ رشوت ستانی کے سدباب کی شکل میں سامنے آیا۔ عام طور پر حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو رشوت ''گفٹ'' کے نام پر دی جاتی ہے، یہ نام کرپشن کے لیے ایک پردہ کا کام کرتا تھا، اُس زمانہ میں یہ رقم نذرانہ کے نام سے دی جاتی تھی، جو بادشاہوں کو حکومت کے عہدہ داران اور اصحابِ ثروت کی جانب سے اور عہدہ داروں کو ان کے زیرِ اثر رعایا کی جانب سے ملا کرتی تھی۔ اورنگ زیبؒ نے ہر طرح کے نذرانہ پر پابندی لگادی، خاص کر نوروز کے جشن پر تمام امراء بادشاہ کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، اورنگ زیبؒ نے اپنی حکومت کے اکیس ویں سال اس جشن ہی کو موقوف کردیا اور فرمان جاری کردیا کہ خود ان کو کسی قسم کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے۔

۶: عام طور پر جہاں بھی شخصی حکومتیں رہی ہیں، وہاں عوام کو اطاعت و فرماں برداری پر قائم رکھنے کے لیے بادشاہ کے بارے میں مبالغہ آمیز تصورات کا اسیر بنایا جاتا ہے، اسی لیے تیمور لنگ کہا کرتا تھا کہ جیسے آسمان پر خدا ہے، زمین میں وہی درجہ ایک بادشاہ کا ہے، اسی لیے مغلوں کے یہاں بھی ہندوانہ طریقہ کے مطابق ایک طرح کی بادشاہ پرستی مروّج رہی ہے۔ اکبر کے یہاں تو بادشاہ کا دیدار اور سجدہ کرنا ایک عبادت تھا اور ہر دن بے شمار لوگ یہ عبادت بجالاتے تھے، جہانگیر نے سجدہ ختم کیا، لیکن زمین بوسی باقی رہی۔ عالَم گیرؒ نے جھروکا درشن بالکلیہ

ختم کر دیا، جس میں لوگ صبح کو بطورِ عبادت بادشاہ کا دیدار کرتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے نہیں تھے، البتہ اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اس کی درخواست رَسّی میں باندھ کر اوپر بادشاہ کے پاس پہنچا دی جائے۔

۷: عموماً حکمرانوں کی شاہ خرچی اور حکمرانوں کے چونچلے غریب عوام کی کمر توڑ دیتے ہیں۔ اورنگ زیب عالَم گیرؒ نے ایسے تکلّفات کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، جیسا کہ گزرا کہ شاہی نذرانوں کو بند کیا۔ دربارِ شاہی میں بادشاہوں کی تعریف کرنے والے شعراء ہوا کرتے تھے اور ان پر ایک ذمہ دار ہوا کرتا تھا، جو ''ملک الشعراء'' کہلاتا تھا، اورنگ زیبؒ نے اس شعبہ کو ختم کر دیا۔ وہ اپنی شان میں کسی بڑائی اور مبالغہ آمیز شاعری کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ کا دل بہلانے کے لیے دربارِ شاہی میں گانے بجانے کا خصوصی انتظام ہوتا تھا، قوال اور رقاصائیں گا کر اور ناچ کر بادشاہ کا دل خوش کرتی تھیں اور ان پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی جاتی تھیں۔ عالَم گیرؒ نے اس سلسلہ کو بھی موقوف کر دیا۔ بادشاہ کے لکھنے کے لیے سونے اور چاندی کی دواتیں رکھی جاتی تھیں، عالَم گیرؒ نے اس کے بجائے چینی کی دواتیں رکھنے کی تلقین کی۔ انعام کی رقمیں چاندی کے بڑے طشت میں لائی جاتی تھیں، اس طشت کی رسم کو بھی اورنگ زیبؒ نے موقوف کر دیا۔ عام طور پر بادشاہوں کی جیب خرچ کے لیے کروڑوں روپے کی آمدنی مخصوص کر دی جاتی تھی،

آج بھی جمہوری ملکوں میں سربراہِ حکومت کے لیے رہائش، سفر اور ضروریات وغیرہ پر جو رقمیں صرف کی جاتی ہیں اور رہائش کے لیے جو وسیع مکان اور اعلیٰ درجہ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے، وہ گزشتہ بادشاہوں کی شاہ خرچی کو بھی شرمندہ کرتی ہیں، لیکن اورنگ زیب عالَم گیرؒ نے اپنے لیے نہ کوئی عظیم الشان محل تعمیر کرایا، نہ اپنی تفریح کے لیے کوئی باغ بنوایا، اور اپنے مصارف کے لیے بھی محض چند گاؤں کو اپنے حصہ میں رکھا اور بقیہ سارے مصارف کو حکومت کے خزانہ میں شامل کر دیا۔

۸: انہوں نے تعلیم کی ترقی پر خصوصی توجہ دی، ہر شہر اور ہر قصبہ میں اساتذہ مقرر ہوئے، نہ صرف اساتذہ کے لیے وظائف مقرر کیے گئے اور جاگیریں دی گئیں، بلکہ طلبہ کے اخراجات اور مددِ معاش کے لیے بھی حکومت کی طرف سے سہولتیں فراہم کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے زیادہ تر فرامین تعلیم ہی سے متعلق ہیں، جن کو ان کے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل بھی کیا ہے۔

۹: اس زمانہ میں صنعت و حرفت کو آج کی طرح ترقی نہیں ہوئی تھی اور معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھی، اورنگ زیبؒ نے زرعی ترقی پر خصوصی توجہ دی، کسانوں کی حوصلہ افزائی کی، جن کسانوں کے پاس کاشت کاری کے لیے پیسہ نہیں ہوتا، ان کو سرکاری خزانوں سے پیسہ فراہم کیا جاتا۔ حسبِ ضرورت کسانوں سے مال گزاری معاف کی گئی۔ جو زمینیں اُفتادہ تھیں اور

ان میں کاشت نہیں کی جاتی تھی، ان کو ایسے کسانوں کے حوالہ کیا گیا، جو اُن کو آباد کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ اپنے عہدہ داروں کو ہدایت کی کہ کسانوں کو اتنا ہی لگان لگایا جائے، جتنا وہ بآسانی اور بخوشی ادا کر سکیں۔ اگر وہ نقد کے بجائے جنس دینا چاہیں تو قبول کر لیا جائے۔ انہوں نے کسانوں کے لیے کنواں کھدوانے، قدیم کنوؤں کو درست کرانے اور آب پاشی کے وسائل کو بہتر بنانے کو حکومت کی ایک ذمہ داری قرار دیا۔ انہوں نے زمین کے سروے کرنے پر خصوصی توجہ کی، تاکہ معلوم ہو کہ کون سی اراضی اُفتادہ ہیں اور اُن کو قابل کاشت بنانے کی کیا صورت ہے؟ انہوں نے اپنے فرمان میں لکھا ہے: ''بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ زراعت ترقی کرے، اس ملک کی رزعی پیداوار بڑھے، کاشت کار خوش حال ہوں اور عام رعایا کو فراغت نصیب ہو، جو خدا کی طرف سے امانت کے طور پر ایک بادشاہ کو سونپی گئی ہے۔'' زرعی پیداوار کی طرف اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ اورنگ زیب عالَم گیرؒ کے دور میں فتح ہونے والے بہت سے علاقے ایسے تھے، جہاں کے اخراجات وہاں کی آمدنی سے زیادہ تھے، لیکن پھر بھی کہیں غذائی اشیاء کی قلت محسوس نہیں کی گئی، اگر یہ صورتِ حال نہیں ہوتی تو اتنے طویل و عریض رقبہ پر پچاس سال تک اورنگ زیبؒ حکومت نہیں کر پاتے اور وہ عوام کی بغاوت کے نتیجہ میں مملکت پارہ پارہ ہو جاتی۔

۱۰: اورنگ زیبؒ کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اصلاح بھی ہے، انہوں نے بھنگ کی کاشت پر پابندی لگائی۔ شراب و جوئے کی ممانعت کردی۔ قحبہ گری کو روکا اور فاحشہ عورتوں کو شادی کرنے پر مجبور کیا۔ لونڈی، غلام بناکر رکھنے یا خواجہ سرا رکھنے پر پابندی لگائی۔

۱۱: ہندو سماج میں عرصۂ دراز سے ستی کا طریقہ مروّج تھا، جس کے تحت شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کی چتا کے ساتھ نذرِ آتش کردی جاتی تھی، ہندو سماج میں اُسے مذہبی عمل سمجھا جاتا تھا۔ مغلوں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے، اس لیے اورنگ زیبؒ نے قانونی طور پر اس کو بالکلیہ تو منع نہ کیا، لیکن اصلاح اور ذہن سازی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے عہدہ داروں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کو اس رسم سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی خواتین کے ذریعہ بھی ان کو اس کی دعوت دیں۔ نیز پابندی عائد کردی کہ علاقہ کے صوبہ دار کی اجازت کے بغیر ستی نہ کی جائے، تاکہ کسی عورت کو اس عمل پر اس کے میکہ یا سسرال والے یا سوسائٹی کے دوسرے لوگ مجبور نہ کرسکیں، اس طرح عملاً ستی کا رواج تقریباً ختم ہوگیا۔ غرض کہ اورنگ زیبؒ نے قدیم سڑکوں اور سرایوں کی مرمت، نئی سڑکوں اور مسافر خانوں کی تعمیر، تعلیمی اداروں اور عبادت گاہوں کو جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کے جو رفاہی کام کیے، ان

کے علاوہ مختلف دوسرے میدانوں میں جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ بھی آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی رحم دلی، انصاف پروری اور عفوودرگزر کا ان لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے، جو اُن کو ایک خشک مزاج، نارواادار اور سخت گیر حکمراں قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے حریفوں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سنی ہوں یا شیعہ، پٹھان ہوں یا مراٹھے وراجپوت، زیادہ سے زیادہ صلح اور درگزر کی پالیسی اختیار کی، خود شیواجی کو جس طرح انہوں نے بار بار معاف کیا اور اس کے بیٹے کو گلے لگایا، یہ اس کی بہترین مثال ہے۔

اورنگ زیبؒ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا ہے اور مندر شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگ زیبؒ کے عہد میں بعض مندر منہدم کیے گئے ہیں، لیکن اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غیر جانب دار مؤرّخین نے لکھا ہے کہ اورنگ زیبؒ نے انہیں مندروں کو منہدم کیا تھا، جو غیر قانونی طور پر بنائے گئے تھے، مثلاً اورچھا میں ببر سنگھ دیو کے بنائے ہوئے ایک مندر کو اورنگ زیبؒ نے منہدم کرادیا، لیکن اس لیے کہ ببر سنگھ دیو نے اولاً تو ظالمانہ طور پر ابوالفضل کو قتل کیا اور پھر اسی کے سرمایہ سے وہ مندر بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مندر منہدم کیا گیا تو وہاں کے راجہ دیوی سنگھ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یا اس نے ایسے مندروں

کو گرایا، جہاں حکومتوں کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں، یا ایسے مندروں کو جہاں غیر اخلاقی حرکتیں کی جاتی تھیں، جیسے بنارس کا وشوناتھ مندر، ڈاکٹر بی، ایم، پانڈے نے اس کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے کہ:

اورنگ زیبؒ جب بنگال جاتے ہوئے بنارس کے قریب سے گزرے تو اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں اور کمانڈروں نے وہاں ایک دن قیام کی درخواست کی، تاکہ ان کی رانیاں گنگا اشنان کر سکیں اور وشوناتھ دیوتا کی پوجا کریں۔ اورنگ زیبؒ راضی ہوگئے، انہوں نے فوج کے ذریعہ حفاظت کا پورا انتظام کیا، رانیاں اشنان سے فارغ ہوکر وشوناتھ مندر روانہ ہوئیں، لیکن جب مندروں سے رانیاں واپس ہوئیں تو اس میں بعض موجود نہیں تھیں، کافی تلاش کی گئی، مگر پتہ نہیں چل سکا، بالآخر تحقیق کاروں نے دیوار میں نصب گنیش کی مورتی کو ہلایا، جو اپنی جگہ سے ہلائی جاسکتی تھی تو نیچے سیڑھیاں نظر آئیں، یہ سیڑھیاں ایک تہہ خانہ کی طرف جاتی تھیں، وہاں انہوں نے دیکھا کہ بعض رانیوں کی عصمت ریزی کی جاچکی ہے اور وہ زار و قطار رو رہی ہیں، چناں چہ اورنگ زیبؒ کی فوج میں شامل راجپوت کمانڈروں نے اس مندر کو منہدم کردینے کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیبؒ نے حکم دیا کہ مورتی کو پورے احترام کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کردیا جائے اور چوں کہ ایک مقدس مذہبی مقام کو ناپاک کیا گیا ہے، اس لیے اس کو منہدم کردیا جائے اور مہنت کو گرفتار

کرکے سزادی جائے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اکبر کے دور سے صورتِ حال یہ تھی کہ بہت سی مسجدوں کو منہدم کرکے بت خانے بنادئیے جاتے تھے، ہندو مسلمان عورتوں سے جبراً نکاح کرتے تھے اور انہیں اپنے تصرف میں لاتے تھے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی اور خود اورنگ زیبؒ کی حکومت کے بارہویں سال تک یہی صورتِ حال تھی، ممکن ہے کہ بعض مندروں کے انہدام کا یہی پس منظر ہو۔

(از تحریر مولانا رحمانی بعنوان: اورنگ زیب عالَم گیرؒ، تاریخ کا مظلوم حکمراں ۲۰۱۷)

اورنگ زیب عالَم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی

شاہ جہاں کے اوصافِ حمیدہ:

شاہ جہاں کی اپنی کی محبوب ترین بیگم ''ممتاز محل'' سے چودہ اولاد تھیں، جن میں سے سات زندہ رہیں، ان میں ''دارا شکوہ'' سب سے بڑا تھا اور ''اورنگ زیب'' کا نمبر ساتواں تھا۔

شاہ جہاں کا داد ''اکبر'' لامذہب تھا، اس کا بیٹا ''جہاں گیر'' مذہبیت اور لامذہبیت میں متوسط تھا اور اب شاہ جہاں کی باری تھی جو حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے خلفاء کی محنت سے اچھا خاصا دیندار تھا، رعایا خوش حال تھی اور اپنے عدالتی، اقتصادی، معاشی و مذہبی معاملات اور نظم وانصرام میں بادشاہ سے خوش تھے۔

سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فہم و تدبّر، رحم وکرم، عدل وانصاف، غرباء پروری، علم دوستی، مَتانت اور سنجیدگی وغیرہ وغیرہ شاہجہاں کے وہ اوصاف ہیں جن میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کی تہذیب اور مَتانت کا یہ حال تھا کہ ناشائستہ کلمات سے اس کی زبان ہمیشہ پاک رہی۔

حِلم وبُردباری اور حُسنِ اخلاق ایسے کہ وہ اپنی مجلس میں خطاوار کے متعلق بھی

حتی الوسع ایسے کلمات سے احتیاط کرتا جن سے اس کو شرمندگی ہو۔ وہ بہادر تھا اور بہادری میں اپنے دادا بابر کی یادگار تھا۔ مگر بے نظیر شجاعت کے باوجود حد سے زیادہ رحم دل اور نوعِ انساں کا ہمدرد۔

شاہجہاں کہا کرتا تھا کہ شاہی خزانے صرف اس لئے ہیں کہ باشندگانِ ملک کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ بادشاہ ان کے صرف امانت دار ہیں۔

اخلاق واَوصافِ شاہجہاں کے متعلق تاریخ کی مبسوط تحریروں کے بجائے سلطان "عالم گیر" کے صرف ایک رُقعہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ جو عالم گیر نے شاہزادہ "محمد اعظم" کے نام لکھا ہے: "اعلیٰ حضرت (شاہ جہاں) فرمایا کرتے تھے۔ شکار بے کاروں کا کام ہے۔ انسان اگر امورِ آخرت میں مشغول نہ ہو، تو دنیاوی کاموں کو درست کرنے ہی میں کیا خرابی ہے۔ آخر دنیا کو آخرت کی کھیتی بتایا گیا ہے"۔

اس نے اپنے جلوس کے پہلے سال ہی سجدہ کی ممانعت کر دی۔ زمین بوسی کا طریقہ رائج رہا۔ پھر ۱۰۴۶ھ میں اس کو بھی منسوخ کر دیا کہ اس میں بھی انسان کے سامنے سجدہ کی مشابہت ہے۔ درشن کا دستور جو اکبر کا ایجاد کردہ تھا، بحالہٖ باقی رہا۔

شیعوں کے رُسوخ کے باعث صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکرِ خیر پر جو اثر پڑ سکتا تھا محتاجِ بیان نہیں۔ دَکّن کے شیعہ فرمانرواؤں کے قلمرَو

میں آئے دن خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر پر پابندیاں عائد ہوتی رہتی تھیں۔

شاہجہاں نے ان ریاستوں سے صلح کی پہلی شرط یہی رکھی کہ شتمِ صحابہ نہ کیا جائے۔ مدحِ صحابہ پر پابندی نہ عائد کی جائے۔

۱۰۴۳ھ میں جب کہ سیر کے لئے کشمیر گیا تھا تو معلوم ہوا کہ مسلمان احکام وتعلیماتِ اسلام سے ناواقف ہیں۔ ہندوؤں میں بیاہ شادیاں ہوتی ہیں۔ ہندو لڑکی کو مرنے کے بعد مسلمان زمین میں گاڑتے ہیں اور مسلمان لڑکی کو ہندو جلاتے ہیں۔ شاہجہاں نے حکم دیا کہ جو مسلمان لڑکی ہندو کے گھر میں ہو، اگر اس کا شوہر مسلمان ہو جائے، تو از سرِ نو نکاح کرایا جائے۔ ورنہ مسلمان لڑکی کو علیحدہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد قاضی اور معلّم مقرر کر دیئے اور ان کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کر دیا۔

شاہ جہاں کے دن رات کی مشغولی اور معمول لکھنے کے بعد اور شہزادی جہاں آرا بیگم (دخترِ شاہ جہاں) کی زبانی بادشاہ اور اس کی حکومت کا نقشہ کھینچ کر سیّد محمّد میاںؒ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے انسان کو باخدا اور ولی اللہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے۔''

نیز لکھتے ہیں:

''حضرت مجدّد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے مطالبات پر نظر ڈالئے، اور پھر جہاں آرا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ کامیاب تحریک کا کس قدر مبارک منظر سامنے آئے گا۔'' (علمائے ہند کا شاندار ماضی: ۱/ ۲۶۴)

شاہ جہاں کی کمزوریاں:

شاہجہاں کو سماع سے بھی شوق تھا اور یہ اس چشتیت کا باقی ماندہ اثر تھا جو اکبر کے زمانہ سے اس خاندان میں چلی آرہی تھی۔

خاص خاص مواقع پر میلاد شریف بھی کرایا کرتا تھا۔

قبروں اور مزارات کو پختہ بنانے کا طرز اس کے آبا واجداد سے چلا آرہا تھا۔ مقبرات کے متعلق اُس کے حسنِ ذوق نے اس کے مقبرہ کو ''تاج محل'' کی شکل دے دی جو دنیا کی تعمیرات میں بے نظیر ثابت ہوئی۔ بائیس سال متواتر شب و روز اَنتھک کام کرنے کے باعث مزاج میں تیزی بھی پیدا ہوگئی تھی۔

جب اورنگ زیب عالَم گیر کی بُرائی اس کے ذہن میں بٹھادی گئی تو وہ دن بدن ترقی ہی کرتی رہی۔ عالَم گیر نے جب بھی معذرت کی وہ عموماً نامنظور ہوئی، اس کے جواب میں کوئی اور نکتہ چینی کردی گئی۔

سلاطینِ ایشیا کا عام نظریہ یہ ہے کہ ''المَلِكُ عَقِيْمٌ'' یعنی بادشاہ کے اولاد

نہیں ہوتی۔ جہانگیر کا مقولہ تھا کہ ''بادشاہ عزیزے وقرابتے ندارد''۔ چنانچہ اپنے عزیز واَقارب سے بھی وہی احتیاط برتتا جو غیروں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

لیکن اس کے برخلاف شاہجہاں کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کو اپنی اولاد اور اپنی بیوی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ داراشکوہ سب سے بڑا لڑکا ہے، جو دو بہنوں کے بعد پیدا ہوا۔ سب سے بڑی بہن کا انتقال شیر خوارگی میں ہو گیا تھا۔ داراشِکُوہ اور اس کی بڑی بہن جہاں آرا بیگم لاڈ پیار کے پلے ہوئے تھے۔

شاہجہاں کو دارا اور جہاں آرا بیگم سے جو محبت تھی اس کو عشق کے درجہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ دارا باپ کی اس محبت کے سبب سے بدقسمتی کا شکار ہو گیا۔ باپ نے اس کو جاگیریں بڑی بڑی دیں۔ مگر انتظام کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ دارا ہمیشہ شاہجہاں کے ساتھ رہا۔ اپنی جاگیروں میں جانے اور نظامِ حکومت سنبھالنے کا اُسے موقعہ ہی نہ ملا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ حکومت کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا۔ وہ امراء کے حق میں بدخُلق اور گستاخ ہو گیا۔ (ایضا)

یہی محبت شاہ جہاں کی بھی کمزوری واقع ہوئی۔ (جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا۔)

داراشکوہ اور اس کے نظریات:

داراشکوہ کو عربی وفارسی زبان پر مثلِ اہلِ زبان کے عبور تھا۔ سنسکرت کی تعلیم بنارس میں رہ کر پنڈتوں سے حاصل کی تھی۔ تصوف سے بھی اُسے خاص ذوق تھا۔ بے شک اس کو ہر قسم کی ترقی کے لئے قدرت نے بہترین موقع عطا فرمایا تھا۔ مگر اس کی فطری خود پسندی نے اس کو غلط راستہ پر لگا کر اسلام کی جگہ اِلحاد کا حامی بنادیا۔ اس کی تصانیف کی ترتیب صاف طور پر بتاتی ہے کہ وہ کس طرح آہستہ آہستہ زِندقہ اور اِلحاد کی طرف جارہا ہے۔

ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اُس نے اپنی ایک کتاب لکھی جو ''مجمع البحرین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دارا کی آخری تصنیف ہے جو اس کے عقائد وخیالات کو عریاں کرکے سامنے لاتی ہے، یہ کتاب ۱۰۶۵ھ میں لکھی گئی۔

اس کتاب میں دارا نے یہ دکھایا ہے کہ ''اسلامی تصوف'' اور ''ویدانتک فلسفہ'' اپنے اصول، اپنی تعلیمات اور اپنی حقانیت کے لحاظ سے ایک ہیں، اور جو شخص حق کو حاصل کرنا چاہے وہ ان میں سے کسی بھی راستہ کو اختیار کرے، اس سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اُسے خود خطرہ تھا کہ مسلمان اس کی تصنیف کو پسند نہ کریں گے۔ اس لئے اُس نے دیباچہ میں لکھ دیا کہ: ''اُس نے یہ کتاب رازِ درونِ خانہ سے واقف ''اہلِ بیت کے لئے لکھی ہے''۔

وہ اپنے گمان میں خود کو حکومت و بادشاہت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھنے لگا تھا، اور ہندو اور شیعہ بھی اس کو مثلِ اکبر دیکھ کر اسی کے ہمنوا تھے اور آئندہ اِسی کو بادشاہ دیکھنا چاہتے تھے یہ لوگ شاہ جہاں کی مذہب پسندی اور احکامِ اسلام کی پیروی سے بیزار ہو گئے تھے۔

دارا کے دل میں بھی حکومت کی شدید طلب تھی اور اس سلسلے میں اس نے کافی پلاننگ کرلی تھی اور اس کے دل میں بالخصوص اورنگ زیب سے متعلق پُرخاش تھی جو دن بدن بڑھتی گئی۔

سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دارا شکوہ، شاہجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ پیارا تھا، ماں باپ کے لاڈ پیار، درباریوں کی خوشامد، غلط تعریف اور خود شاہجہاں کی انتہائی محبت نے اُسے خودسر، خود رائے اور ستائش پسند بنا دیا تھا۔ وہ سمجھنے لگا تھا کہ تمام حکومت میں اس سے زیادہ صائب الرائے، ہوش مند، وسیع المَشرب اور صاحبِ اقتدار کوئی نہیں ہے، اس لئے جب اس کے دوسرے بھائی سنِّ شعور کو پہنچے اور اپنے درجہ، مرتبہ اور کاموں کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے تو اُسے یہ بات نہایت ناگوار معلوم ہوئی، اور چوں کہ اورنگ زیب ان میں سب سے زیادہ بااثر، عقل مند، دور اندیش اور سب سے زیادہ کامیاب تھا، اس لئے دارا کو اس سے خواہ مخواہ عداوت پیدا ہو گئی، اور جوں جوں اورنگ زیب ترقی کرتا، اور لوگوں

کے دلوں میں اپنی جگہ بناتا جاتا، دارا کی دشمنی اور اس کی سازشیں، اس کے خلاف بڑھتی جاتیں۔ (ایضا)

شاہجہاں کے آخری عہد میں کچھ یوں ہوا کہ جب وہ طویل علالت کے باعث حکومتی ذمہ داریوں سے بیٹھ گیا، تو یہی دارا شاہجہاں کے نام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اسے کاروبارِ حکومت سے بالکل معطّل کر دیا تھا۔ علاوہ اس کے دارا شکوہ نے شاہجہان کے خط اور دستخط کی نقل میں ایسی مہارت پیدا کر لی کہ اصل کا گماں ہوتا تھا۔ وہ شاہجہاں کے نام سے احکام صادر کرتا تھا جن کی اسے مطلق خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس کے تینوں بھائی صحیح صورتِ حال سے مطلع کرنے کے لیے شاہجہاں کے نام جو خط لکھتے، دارا انہیں شاہجہاں تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا۔ مزید برآں اسی زمانۂ اقتدار میں اس نے ہندوؤں کی بے حد طرف داری کی۔ بعض مقامات پر ان کی اس حد تک طرف داری کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے بھی گُریز نہ کیا، مسجدوں اور بزرگانِ دین کے مقبروں کو بے دریغ ڈھا دیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ خود شاہجہاں نے بھی اپنی بیماری کے باعث کاروبارِ حکومت دارا شکوہ پر چھوڑ دیا تھا۔ اور خود کو اپنی دانست میں معذور اور گوشہ نشین سمجھ لیا لیکن در حقیقت وہ دارا شکوہ کی قید میں تھا اور نظر بند تھا۔ مگر بایں ہمہ اس کی ذاتی خدمتوں اور پیارا ہونے کے باعث اس پر مہربان تھا۔ اس نے اسے پہلے ہی

سے اپنا جانشین مقرر کر رکھا تھا اب جب کہ طویل بیماری کے باعث ہاتھ پیر چلنے سے رہ گئے تو اسے اب اپنا نائب سمجھ لیا۔

اگر قسمت نے اورنگ زیب کی یاوَری نہ کی ہوتی اور دارا شکوہ ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بن جاتا تو وہ یقیناً اکبرِ اعظم کے دینِ الٰہی کو زندہ کرتا جس سے ہندوستان کے اکثر لوگ نہ ہندو رہتے نہ مسلمان، خاص کر مسلمانوں کے لیے تو دینِ الٰہی سمِّ قاتل ثابت ہوتا۔ غرض! دارا شکوہ کے ملحدانہ خیالات جو اس کی تصانیف سے ظاہر ہوتے ہیں، اسے ہندوستان کا اکبرِ ثانی ثابت کرتے۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے وجود کو مٹا کر ہندوستان کی متحدہ قومیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

سعدی لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اورنگ زیب نے دارا سے جو لڑائی لڑی وہ شخصِ واحد کی لڑائی نہ تھی۔ وہ اس جماعت کی لڑائی تھی جو اسلام کو دینِ حق سمجھتی تھی اور اسے رائج اور نافذ کرنے کی آرزومند تھی۔ یہ اس گروہ کی لڑائی تھی جسے اکبر نے ناکام رکھا۔ اور اس نے اورنگ زیب کا سہارا لے کر دارا سے اکبر کا انتقام لینا چاہا تھا۔

(محی الدین اورنگ زیب عالَم گیر)

زرّیں کارنامہ یا بڑی غلطی؟

اورنگ زیب عالَم گیر کا حقیقت میں یہی سب سے بڑا زریں کارنامہ ہے یا یوں کہہ لیجیے ہندوؤں اور انگریزوں کے نزدیک سب سے بڑی غلطی ہے کہ اُس نے دارا شکوہ کو شکست دے کر حکومت پر تسلط جمایا اور اپنی اِصلاحات جاری کر کے اکبر کے فتنہ: دینِ الٰہی کو از سر نو زندہ کئے جانے کے تمام اِمکانات کو یکسر مٹا دیا۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مجدّد الفِ ثانی اور ان کے خلفاء کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور ہندوستان میں طرزِ خلافت پر ایک اسلامی حکومت قائم کر کے ہندوؤں، راجپوتوں، برہمنوں کے خواب کو دارا کی شکست سے چکنا چور کر دیا، اسلامی احکام نافذ کرنے میں کسی طاقت، بغاوت، مذہب اور مسلک کی پرواہ نہیں کی۔

اور ہندوانہ نشان و علَم کے ساتھ اُبھرنے والی طاقت مراٹھوں کو جہاں سے آئے وہیں پہنچا کر دم لیا، چھیاسی برس کی عمر میں اس جواں حوصلہ، بلند ہمّت بادشاہ نے ان اسلام دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کی اور بذاتِ خود کمان لی، اور بالآخر تمام قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لیے، الفنسٹن صاحب نہایت ناگواری اور مجبوری سے شہادت دیتے ہیں:

”اورنگ زیب اپنی چال چلے گیا؛ یہاں تک کہ چار سال میں مرہٹوں کے

سارے بڑے بڑے قلعوں کو اپنے تصرف میں لایا، بہت سے معرکے لمبے چوڑے اور خونوں کے پیاسے واقع ہوئے اور دونوں طرف طرح طرح کی تدبیریں برتی گئیں؛ مگر وہ تدبیریں ایسی مرۃ بعد اُخری ہوئی کہ تفصیل ان کی نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے، ہاں انجام ان کا یہ ہوا کہ قلعے تمام فتح کر لیے گئے۔"

راج گڑھ کا قلعہ جو شیواجی کا گویا پائے تخت تھا اس کا دَور بارہ میل کا تھا، راستے ہی اس قدر دشوار گزار تھے کہ کئی کئی دن کے متواتر سفر میں ایک ایک کوس طے ہوتا تھا، لین پول صاحب مصائبِ راہ کے متعلق لکھتے ہیں:

کوچ کی حالت میں ناممکن العبور دریاؤں، سیلابی وادیوں، پُرغلاظت نالوں اور تنگ راستوں نے کس قدر تکلیف دی ہوگی! جہاں سامانِ رسد مہیا نہ ہوتا تھا اس کو ٹھہر جانا ہوتا تھا اور چارہ، گھانس کے نہ ملنے سے جانورانِ بار برداری کی یہ حالت ہوجاتی تھی کہ فوج بے دست و پا ہوجاتی تھی۔ برسات کے سوا گرمیوں میں منزلوں کی سختی، خیموں کی اذیت اور پانی نہ ملنے کی مصیبت بیان سے باہر ہے۔

عالَم گیر کی وفات سے دو برس پہلے مرٹھوں کے تمام قلعے اور محفوظ مقامات فتح ہوگئے، عالَم گیر نے حسین قلی خان کو متعیّن کیا کہ تمام ملک میں امن وامان کی منادی کرادے اور رِعایا کو ترغیب دے کہ اپنے اپنے گھر پر آباد ہوجائیں۔

مَراٹھے اب بالکل بے خانماں ہوگئے تھے، خانہ بدوش ہو کر اِدھر اُدھر قزّاقوں

اور ڈاکوؤں کی طرح چھاپے مارتے پھرتے۔

مَراٹھے شاہ جہاں کے زمانہ میں پوری قوت بحال کر چکے تھے۔ دکن سے مدراس تک پھیل گئے تھے۔ سینکڑوں نہایت مضبوط اور سربہ فلک قلعے ان کے قبضے میں تھے، ان سب باتوں کے علاوہ وہ ایک زندہ قوم بن رہے تھے اور یہ اس کا عین عروجِ شباب تھا۔ اسی حالت میں عالَم گیر کو ان سے مقابلہ کرنا پڑا، اب دیکھو نتیجہ کیا ہوا؟ یہ ہوا ہے کہ عالَم گیر کے جیتے جی شیوا مر گیا۔ اس کا بیٹا سمبھا مارا گیا۔ رام راجا آوارگی اور صحرانوردی کی نذر ہوا۔ سنتا کا سر کاٹ کر دربار میں پہنچا۔ غرض! علَم برادرانِ بغاوت ایک ایک کر کے مارے گئے، تمام قلعہ جات پر قبضہ کر لیا گیا اور دکن سے لے کر مدراس تک سناٹا ہو گیا ہے۔

ہیچ خار نیست کزخون شکارے سرخ نیست
آفتے بود آن شکار افگن گزیں صحرا گذشت

ترجمہ: ”کوئی بھی کانٹا ایسا نہیں جس پر شکار کا خون نہ ہو۔ وہ کوئی مصیبت تھی جو خون ریز شکاری اس صحرا سے گزرا۔“

اب مَرہٹے کوئی حکومت یا کوئی قوم نہ تھے بلکہ خانہ بدوش راہزن تھے جو اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے تھے اور موقع پا کر چوری چھپے لوٹ مار کرتے تھے۔

(اورنگ زیب عالَم گیر ایک نظر میں)

قصہ مختصر یہ کہ ان لوگوں کے نزدیک آج بھی اورنگ زیب عالَم گیر کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ راسخ العقیدہ، سچا مسلمان تھا، خود اسلام کی پیروی کرتا اور ملک کا بھی اسلام کے مطابق انتظام کرتا جس سے ملک سونے کی چڑیا تھی اور رعایا خوش حال تھے۔

سید محمد میاں لکھتے ہیں:

مغل سلاطین کے عروج کا زمانہ ہندوستان کی خوشحالی کا بہترین دور تھا۔ اس دور میں ہندستان کا خطاب جنّت نشان تھا اور اس کو سونے کی چڑیا اور باغِ اِرم مانا جاتا تھا۔ اس دور میں ناممکن تھا کہ کوئی ہندستانی بھوکا ننگا ہو۔

(ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں)

دوسری غلطی اورنگ زیب عالَم گیر کی یہ تھی کہ اس کے جتنے بھی تاریخ لکھنے والے ہیں وہ یا تو ہنود و انگریز ہیں یا شیعہ شنیعہ، جنھوں نے اس کے دورِ اَمارت کو جو مثلِ علیٰ نہج الخلافت تھا، حقیقت سے اوجھل کر کے رکھ دیا اور مذہبی تشدّد کے ایسے واقعات گھڑے یا ان کی ایسی غلط تشریح کی کہ وہ آنے والے برادرانِ وطن کے لیے قابل نفرین یا کم از کم ناقابلِ تقلید رہ گئے۔

علّامہ شبلی لکھتے ہیں:

عالَم گیر کو اگرچہ خلافت کا دعویٰ نہ تھا؛ تاہم وہ مسلمان بادشاہ تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ حکومت میں اس قدر اسلامی شان باقی رکھے جس قدر ایک اسلامی

حکومت کے لئے اصل عنصر کے لحاظ سے ضروری ہے، اکبر نے جس رنگ میں سلطنت کو رَنگنا شروع کیا تھا اور جس کی یادگاریں شاہ جہاں کے زمانہ تک بھی ہاتی تھیں وہ اگر قائم رہتا تو تیموری سلطنت تو ایک ہندو حکومت بن چکی تھی۔ اسلامی شعار بالکل مٹ گئے تھے، عام دربار کا لباس گھیر دار پاجامہ اور ہندوانی پگڑی تھی۔ راجاؤں کی طرح سلاطین زیور پہنتے تھے۔ دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے سجدہ: ماتھا ٹیکی رائج تھی۔ بے غیرتی اس قدر بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی شروع کیں۔ چنانچہ عالَم گیر نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لی تو اس کا یہ فرض تھا کہ اسلامی شعائر دوبارہ قائم کرے۔ (اورنگ زیب عالَم گیر ایک نظر میں:۹۶)

اورنگ زیب عالَم گیر رح کی بیویاں اور اولاد

بیویاں:

(۱) ملکہ نواب بائی
(۲) دل رس بانو بیگم دختر شاہ نواز خان صفوی۔
(۳) بائی اودے پوری
(۴) اورنگ آباد محل بیگم

بیٹے اور بیٹیاں:

آپ کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ آپ نے ان سب کی تعلیم و تربیت

بڑے اہتمام سے کی، تمام شاہزادے قرآن حکیم کے حافظ، اور علوم دینی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ نیز ترکی و فارسی زبان بھی انہیں خوب آتی تھی ان زبانوں میں تقریر و تحریر پر مہارت رکھتے تھے۔

بیٹوں کے نام یہ ہیں:

(۱) محمد سلطان والد کی زندگی میں وفات پائی۔

(۲) محمد معظم عالم شاہ

(۳) محمد اعظم شاہ عالی، اورنگ زیب عالَم گیر رح کے بعد بادشاہ ہوئے۔

(۴) محمد اکبر

(۵) محمد کام بخش

پانچوں شاہزادیاں بھی تلاوت و کتابت قرآن حکیم میں دن رات مشغول رہتیں۔ نہایت پابند صوم و صلوۃ تھیں اور دین کے احکام کی واقفیت رکھتی تھیں۔

بیٹیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) زیب النساء بیگم قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ عالَم گیر نے اسے تیس ہزار اشرفیاں قرآن حکیم حفظ کرنے کی خوشی میں بطور انعام عطا کیں۔ اس شاہزادی کے حکم سے ملا صفی الدین نے قرآن حکیم کی تفسیر کبیر کی زیب التفاسیر کے نام سے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ عالَم گیر کی زندگی ہی میں اس نے وفات پائی۔

(۲) زینت النساء بیگم: قرآن حکیم کی حافظہ تھیں۔

(۳) بدر النساء بیگم: قرآن حکیم کی حافظہ تھیں۔ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھتی تھیں۔

(۴) زبدۃ النساء بیگم: نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔

(۵) مہر النسا بیگم۔

ہمارے تیموری بھائی ہندوستان میں برابر دو دو تین تین چار چار شادیاں کرتے رہے لیکن ہندی عوام پر اس کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا، یہ تو اورنگ زیب تھے جو ہر ایک چیز میں کفایت شعاری کرتے تھے، انھوں نے شعراء کے کلام کو سننا اس وجہ سے موقوف کر دیا تھا کہ اگر ان کے کلام کو سنا جائے گا تو نوازنا پڑے گا اور بیت المال کے مال سے نوازا تو نہیں جاسکتا۔

خوراک پوشاک میں بھی وہ کفایت شعاری سے کام لیتے۔ لیکن بیویاں رکھنا انھوں نے کفایت شعاری کے خلاف نہیں سمجھا۔

وہ خود ٹوپیاں سی کر اور قرآن لکھ کر گزر بسر کرتے تھے پھر ان کی ٹوپیاں بازار میں آکر بک جاتی لیکن یہ معلوم نہیں ہونے دیا جاتا تھا کہ بادشاہ کی سی ہوئی ہیں۔ عام ٹوپیوں کے ساتھ عام داموں میں فروخت ہوتیں۔ آپ کی زندگی اس لحاظ سے بھی کامل تھی کہ آپ حکومت کی باگ دوڑ احسن طریقہ سے انجام دیتے ساتھ ہی انھوں

نے گھر کے افراد بچوں اور بیویوں پر بھی مکمل توجہ دی اور ان کو سنوارا، تعلیم دی، قابل بنایا۔

شیوا اور سنبھا کا کمال

اورنگ زیب عالَم گیر رح نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

ابوالحسن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ التفات کے امیدوار کو جاننا چاہیے کہ اپنے مراسمِ ذاتی اور مکارمِ جبلّی کے اقتضا سے ما بدولت و اقبال کی سب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق آسودہ رہے اور رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ شریعتِ غرّا کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے بت کدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جاسکتے، ان ایّامِ عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے گوش زد ہوئی ہے کہ بعض عُمّال از راہِ جبر و تعدّی قصبہ بنارس اور اس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقے کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کر رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ بجز اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشورِ لامع النور کے پہونچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے

کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستورِ سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینانِ قلب کے ساتھ ہماری دولتِ خداداد ابد مدت و ازل بنیاد کے حق میں مشغولِ دعا رہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

(از کتاب محی الدین اورنگ زیب عالَم گیر [اس میں اس مکتوب کا فارسی بھی موجود ہے])

عالَم گیر کے اس خط سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) عالَم گیر کا خلق خدا اور رعایا؛ امیر غریب، ہندو مسلم، اعلیٰ ادنیٰ ہر ایک کی آسودگی، بنیادی حقوق اور ہر طرح کی حفاظت کا اہمیت دینا۔

(۲) شریعت پر عمل کرنے میں کسی کی رورعایت نہ کرنا۔

(۳) شریعت کی حد میں رہ کر ذمیوں (اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلم) کے حقوق دینا اور انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرنا، اور رواداری کا برتاؤ کرنا۔

ایک مکتوب میں عالَم گیر لکھتے ہیں:

''خود کو رعایا سے براہ راست متعارف کراؤ، غریبوں کو مواقع دو کہ وہ براہِ راست تمہارے پاس آئیں اور اپنی حالت تم سے بیان کریں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان بیچاروں کو اپنی شکایات کے ازالہ کے لیے کوئی اور وسیلہ تلاش نہ کرنا پڑے گا۔

اورنگ زیب کو اپنی رعایا کا اس قدر خیال تھا۔ کہ اس نے صراحت کی کہ اگر

زمین کا کوئی ٹکڑا کسی معقول وجہ سے کاشت نہ کیا جا سکا ہو تو اس سال اس کا خراج وصول نہ کیا جائے۔ وصولی صرف مزروعہ زمین اور پیداوار پر ہو اور اس وقت ہو جب فصل کٹ کر غلّہ کی صورت اختیار کرے۔

ایسی تمام زمینیں جو نیک کاموں کے لیے وقف کی گئی تھیں، ان کے متعلق اورنگ زیب اپنے اس فرمان میں کہتے ہیں:

''اگر کوئی آدمی اپنی زمین رفاہ عام کے کسی کام کسی سرائے کسی خانقاہ یا کسی عبادت خانہ کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے تو اسے مالگذاری سے معافی دے دو، تاکہ رفاہِ عامّہ کے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔'' (از کتاب محی الدین اورنگ زیب عالَم گیر)

اب جو بادشاہ رعایا کی صلاح و فلاح، ان کی خوشنودی و خوش حالی اور ان کی حفاظت و محافظت کو اوّلین ترجیح دیتا ہو اور سب سے بڑھ کر اس کو مذہبی فریضہ سمجھتا ہو اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جب اس کے ماتحت علاقوں کے باشندوں پر ظلم کیا جائے گا ان کو لوٹا جائے گا ان کی عزتوں کو پامال کیا جائے گا تو اورنگ زیب جیسا عادل، رحم دل، منصِف، منتقم خاموش تماشائی بنا رہے گا اور اس فتنہ اور بلوے کے دفعیہ کے لیے کوئی اقدام نہ کرے گا! کیا اس کو موجودہ عرب حکمران سمجھ لیا ہے؟ جن کی غیرتِ دینی مر چکی ہے۔ کیا اس کو محمد بن قاسم، زنگی اور ایوبی سے کوئی مناسبت نہیں تھی جو مظلوموں کی دادرَسی کے لیے نہ مسافتِ سفر کی

پرواہ کرتے تھے نہ درازیٔ عمر و صحت کی، بلکہ عالَم گیر جو اس اعتبار سے ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نے یہ سب اِقدامات غیر مسلم رعایا کی محافظت اور برہمن عورتوں کی عصمت کی پاسبانی کے لیے بھی کیے ہیں۔ پھر مراٹھوں سے اس قدر لمبی لڑائی کے باوجود بھی اورنگ زیب کا یہ ایک مثالی کارنامہ ہے کہ اس نے لڑائی کے اخراجات کے لیے عوام پر کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا۔ اور نہ ان محصولوں میں سے ہی کوئی محصول دوبارہ لگایا جنہیں وہ شروع میں معاف کر چکا تھا۔

شیواجی نے شاہی علاقوں کے ماتحتوں میں لوٹ مچا رکھی تھی، اور وہاں کے باشندوں کو ہراساں کیا کرتا، اس نے سورت جیسی عظیم شاہی بندر گاہ پر ڈاکہ ڈال کر اس کے خزانے کو لوٹ لیا حتی کہ حاجیوں سے بھی تعرض کیا، بہت سے لوگوں کو اپنے پاس اِغوا کر کے لے آتا اور خوب مال طلب کر کے ان کو رہا کرتا؛ کیوں کے اس کے پاس علاقے زیادہ نہیں تھے اس لیے اپنی سوار اور پاپیادہ فوج کے اخراجات وہ لوٹ کے ذریعہ ہی پورے کرتا، وہ اگرچہ عیّاش نہیں تھا، وعدہ خلافی کرنے والا، دھوکے باز، عیّار ضرور تھا؛ لیکن وہ مسجدوں اور عورتوں کی عصمت پر نہ خود ہاتھ ڈالتا نہ اپنی فوج کو اس کی اجازت دیتا؛ لیکن اس کا بیٹا سنبھا ان چیزوں میں اس سے اُلٹ تھا، شیوا نے برہمن عورتوں کی عصمت دری کرنے کے نتیجے میں سنبھا کو ایک قلعہ میں نظر بند بھی کیا تھا، ان کے کنویں پر عورتیں پانی بھرنے آتیں تو

شیوا نے کبھی ان کو نہیں چھیڑا؛ لیکن سنبھا اپنے دور میں ان پر دست درازی بھی کرتا اور ہتکِ عزت سے بھی دریغ نہیں کرتا اور اپنے باپ کے مقابلے میں بڑا ظالم اور سفّاک واقع ہوا تھا، خود اس کی قوم کے لوگ اس سے نالاں اور متنفر تھے، مراٹھے شیوا کو ایک دیوتا کی طرح پوجتے تھے اس لیے اس کی حرکتوں کو برداشت کیے جارہے تھے ورنہ وہ اپنی ہی قوم کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتا۔

عالَم گیرؒ کی دَکّن کی طرف رُخ کرنے کی اہم وجہ:

سید محمد میاں لکھتے ہیں:

شیواجی کے انتقال کے بعد ایک طرف تو اپنی آوارگی اور تباہ کاریوں کے باعث وہ اپنی قوم کو خوش نہیں رکھ سکا، علاوہ ازیں اس نے استقلال حاصل کرتے ہی برہان پور پر دفعتہً حملہ کرکے نہایت سفّاکی اور بے دردی سے تمام شہر کو لوٹا اور آگ لگادی۔ علماء ومشائخِ برہان پور نے ایک مَحضر تیار کرکے عالَم گیر کے پاس بھیجا کہ یہ ملک دار الحرب ہوگیا اور اب یہاں جمعہ اور جماعت جائز نہیں۔ عالَم گیر نے اب تک بذاتِ خود مرہٹوں کی شرارت پر توجہ نہیں کی تھی لیکن اس کے جواب میں لکھا کہ ”میں خود آرہا ہوں“۔ چنانچہ ۱۰۹۲ھ میں وہ خود دکن پہنچا۔

(علمائے ہند کا شان دار ماضی)

(نوٹ: ”میں خود آرہا ہوں“ آج اسی دینی غیرت کی ضرورت ہے۔)

اب عالَم گیر کا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ عمر دراز ہونے کے باوجود اس طرف بذاتِ خود توجہ نہ دے جس کو علماء نے دار الحرب قرار دے دیا ہو۔

یہ مختصر ذکر ہے ان اسباب کا جن کی بنا پر عالَم گیر نے اپنے امیر الامراء اور سپہ سالاروں کو شیواجی کے مقابلے میں بھیجا اور سمبھاجی اور برگی مراٹھوں کا صفایا کرنے کے لیے بذاتِ خود جہاد کیا۔

سعدی لکھتے ہیں:

حقیقت دیکھی جائے تو دکن میں اورنگ زیب نے جس حکمتِ عملی پر عمل کیا۔ وہ دور رَس نتائج کی حامل تھی۔ اورنگ زیب چاہتا تھا کہ دکن کے ظالم و جابر اور لٹیرے مرہٹوں اور ان کو پناہ دینے والوں کی قوت و طاقت ختم کر کے اس سمت کے عوام کو اس نظامِ حیات سے متعارف کرائے جو اس کے نزدیک دنیا کا بہترین نظام حیات تھا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

یہ بات خاص طور سے ذہن میں رہنی چاہیئے کہ معاشرے اور نظمِ حکومت کے بارے میں اورنگ زیب عالَم گیر جو تصوّر اور خیال رکھتا تھا اس کی اَساس شریعتِ اسلام ہی کے اصول تھے جنہیں وہ عملی شکل دینے میں تمام عمر کوشاں رہا۔

دراصل یہ لڑائی نہ کوتاہ حکمتِ عملی تھی نہ تعصب، یہ دکن کے عوام کی اصلاح کی ایک تدبیر اس بوڑھے مسلمان تاجدار نے کی۔ ورنہ تاریخ خوب جانتی ہے کہ شیواجی، اس کے ورثاء اور اس کے ہم پیشہ مرہٹے سردار لوٹ مار کو بہت شریفانہ کاروبار سمجھتے تھے۔ اور نہ صرف ہمسائے ان کی وجہ سے بہت تنگ تھے، ان کی رعایا بھی ان سے بہت نالاں تھی۔ اورنگ زیب نے ان کی قوت وطاقت پر بھرپور وار کرکے انہیں ان کے پنجۂ ظلم سے نکالنا چاہا تھا۔

اس طرح اورنگ زیب کی یہ لمبی لڑائی ایک اصلاحی جدوجہد تھی۔ اور اس جدوجہد کا تماشا جن لوگوں نے کیا ہے۔ وہ ہی جانتے ہیں کہ اس بوڑھے نے اس جدوجہد میں کیسی کیسی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ کن پہاڑوں پر چڑھا اور کن گھاٹیوں میں سے گزرا۔ اور کیسے کیسے نازک مراحل اسے پیش آئے۔ وہ تاریخ کا سب سے زیادہ صابر، سب سے زیادہ محنتی اور سب سے بڑا سپہ سالار ہے۔ وہ نوّے برس کی عمر میں بارہ بارہ گھنٹے متواتر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتا، بلاشبہ اس غیر معمولی محنت و مشقت نے اس بوڑھے کے قوی بری طرح متاثر کردئے تھے۔

(از کتاب محی الدین اورنگ زیب عالَم گیر بتغییر یسیر)

یہی کمال تھا شیواجی کا کہ اس کا مقابلہ اکبر اور دارا سے نہ تھا بلکہ ایک سچے مسلمان، اسلامی حکومت کے عادل فرماں رواں سے تھا اور اس (شیواجی) نے

مغلوں یا بیجاپوریوں کے خلاف جو مہم شروع کی، اس میں ''دھرم راج'' کی چاشنی دے کر مذہبی رنگ دے دیا تھا؛ تاکہ اس کے متبعین میں بھی وہی مذہبی جوش پیدا ہوجائے جو مسلمان بادشاہ جہاد کے نام سے پیدا کیا کرتے ہیں۔

(ہندوستان پر مغلیہ سلطنت)

سید محمد میاں لکھتے ہیں:

آج شیواجی کو ایک قابلِ پرستش کی حیثیت سے عزت و احترام کے بلند آسمان پر بٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن کیا برادرانِ وطن کے سرمایۂ فخر و مباہات میں صرف ایسے ہی بزرگ اور پیشوا ہیں؟ ورنہ پھر اس فرقہ پرستانہ تعصب اور عناد پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

عالَم گیر کے لطف و احسان، شرافت اور فراخ حوصلگی اور بلند ہمتی، اور شیواجی کی خود غرضی، تنگ نظری اور پست ہمتی کا موازنہ کیا جائے تو عدل و انصاف کا فیصلہ صرف یہی ہوگا کہ عالَم گیر اس لئے قابلِ ملامت ہے کہ وہ مسلمان تھا، اور شیواجی اس لئے واجب الاحترام اور قابلِ پرستش ہے کہ وہ ہندو تھا، خواہ وہ کیسا ہی تھا۔

(علمائے ہند کا شان دار ماضی)

سمبھاجی کا بھی کمال یہی تھا کہ وہ اورنگ زیب کے مقابل تھا اگرچہ ایک مرتبہ بھی اس نے کھل کر اورنگ زیب کا مقابلہ نہیں کیا تھا، نہ مغلوں سے مزاحمت میں

کوئی فتح ہی حاصل کی تھی، لیکن وہ پکڑا گیا اور منہ در منہ اورنگ زیب کو بے تکان گالیاں بکتا رہا، (اس کو زندہ رکھنے میں اورنگ زیب نے سلطنت کے وقار کے لیے مضر جانا) پھر بے دردی سے ۳۱؍ سال کی جواں عمر میں قتل کر دیا گیا تو اس کی نالائقی کے باجود بعد میں لوگوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہو گئیں۔